

JUNE 2004

خواتین اور روشیادوں کیلئے اپنی طرح کا پہلا ماہنامہ

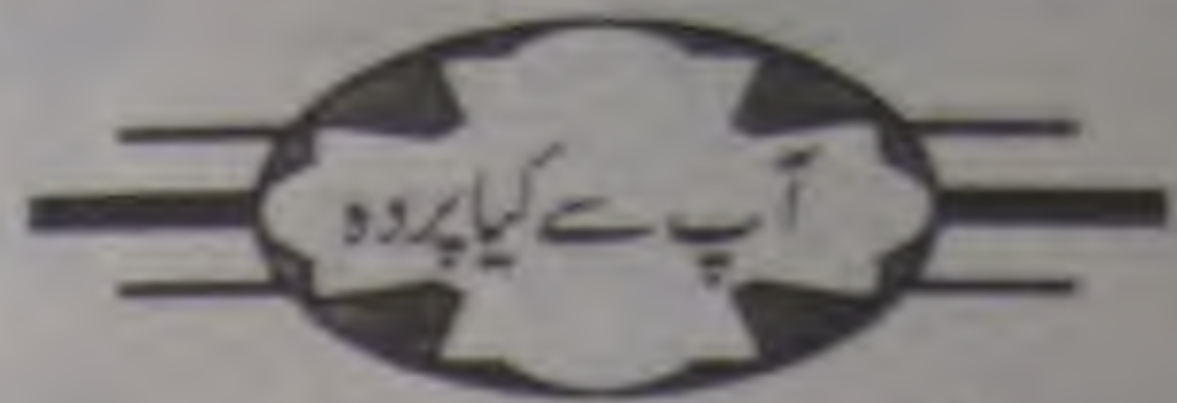
خواتین طلوع



جہاں سے نام،
کرن کرن روشنی،
نامہ خاتون ۲۹
ادارہ ۱۷



ناول



آپ سے کیا پردہ

فقیر بن کر،
انشارجی ۲۲



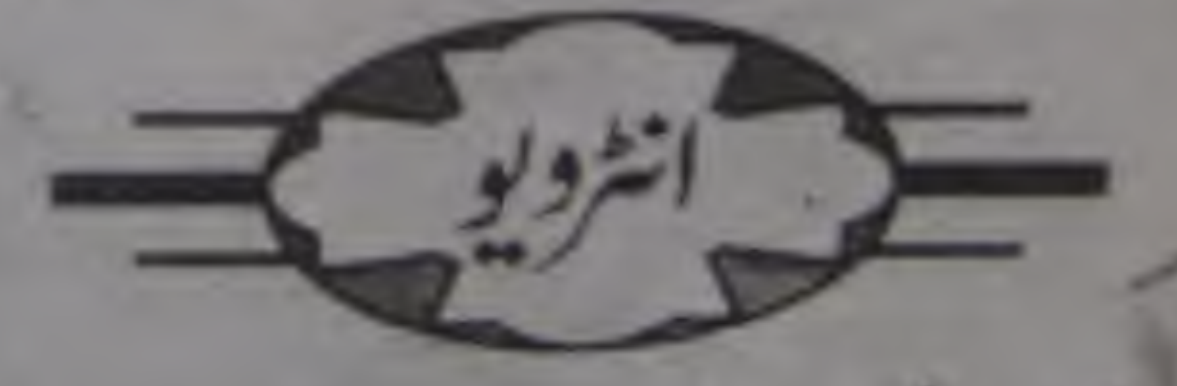
خاتون کی ڈائری

میری ڈائری سے،
امت الصبور ۲۳



مجھ سے ملیے

باتیں مافی سہ،
شاہین رشید ۲۵



انٹرویو

مذکر گومر کا گھر،
شہلا سنگس ۲۹
تیرے جانے کے بعد بھی،
امت الصبور ۳۰۹



مکمل ناول

میرے گمشدہ،
لیک روشن ستارہ،
فاخرہ حبیب ۶۰
اسماء قادری ۱۶۰

تھوڑا سا آسماں،
کوئی لمحہ گلاب ہو،
دل آباد،
عحمیدہ احمد ۲۳۶
نگہت عبداللہ ۲۷۴
رفعت سراج ۳۶



ناولٹ

مہسرو،
زندگی تھک گئی،
تیرے کوچے میں،
رخسانہ نگار ۶۴
فاستہ افتخار ۲۳
ماہامدک ۱۵۶



افسانے

ایٹمی محبت،
تار عنکیوت،
سعدیہ رتیس،
شاہد چوہدری



نظمیں، غزلیں

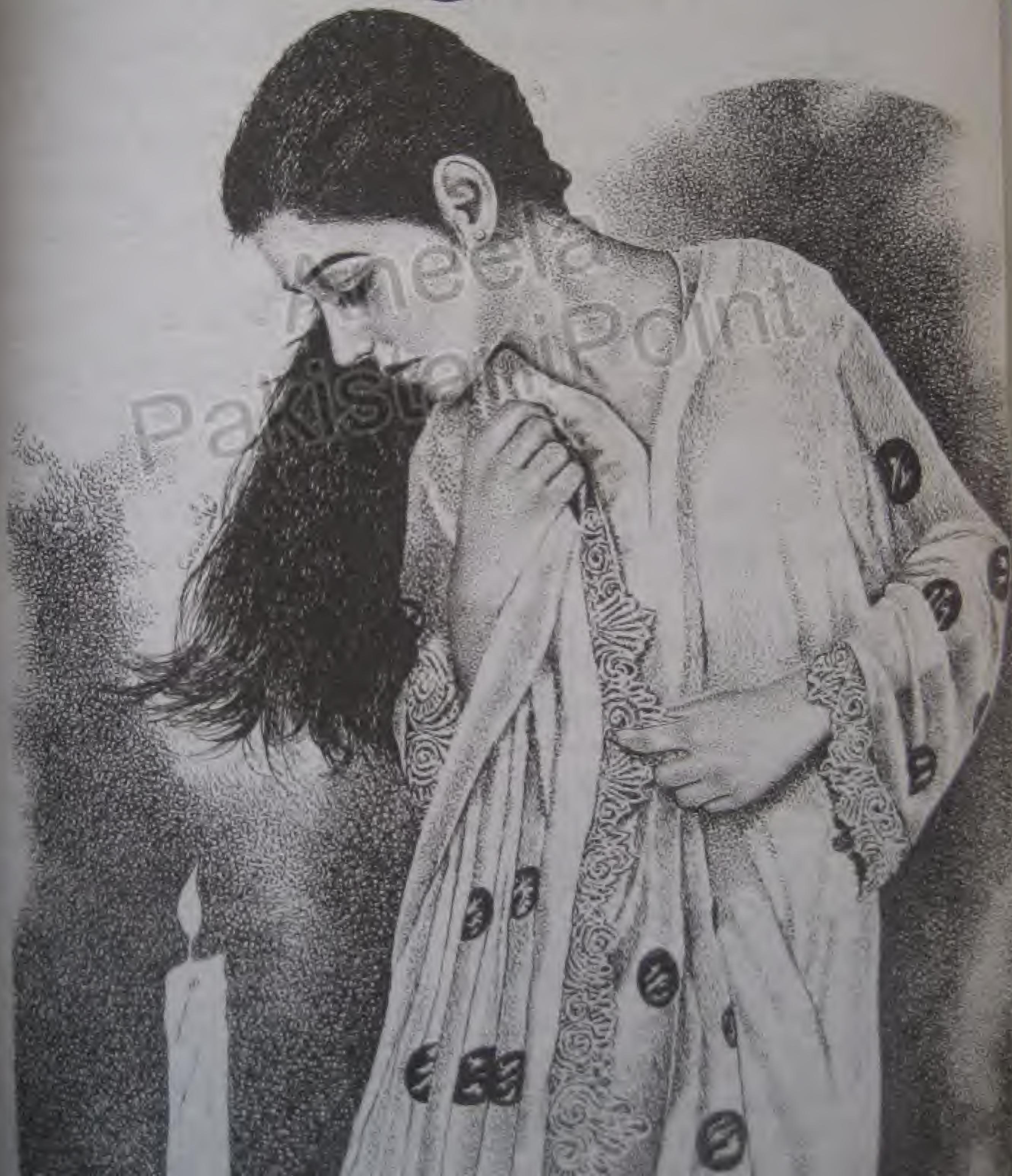
نظم،
غزل،
اعتبار ساجد،
انور شعور ۱۱

زرگالانہ بڈ لیکچر رجسٹری

500 روپے

کی بیاہ

آتش و سحر و جادو



”ابھی برتھ ڈے ٹویو ابھی برتھ ڈے ٹویو ابھی
برتھ ڈے ٹویو برتھ ڈے!“ اسے نوٹس کا بغور جائزہ لیتی
منی نے فون کی تیل پر بڑی بے توجہی سے ریسیور اٹھا کر
”ہیلو“ کہا تھا لیکن دوسری طرف سے جتنے جوش و
خروش کے ساتھ لہک لہک کر اسے دُش کیا جا رہا تھا
اس پر وہ چونکے بغیر نہیں رہ سکی اور ایک حیران کن نگاہ
دیوار گیر گھڑی پر ڈالی جو اس وقت بارہ بج کر ایک منٹ
ہونے کا اعلان کر رہی تھی۔

”جندب!“ دوسری طرف سے آتی آواز کو پہچاننا
اس کے لیے ذرا بھی مشکل نہیں تھا۔ ہر روز صبح شام
سنی جانے والی آواز کو پہچاننا مشکل ہو بھی نہیں سکتا تھا
لیکن اس طرح اور رات کے اس پہر وہ اسے فون
کرے گا یہ بھی اس کے گمان میں نہیں تھا۔
”تمہارے خیال میں صبح کا سورج طلوع نہیں ہوتا
تھایا پھر میں صبح ہونے سے پہلے اس جہان فانی سے کوچ
کرنے والی تھی جو تم نے اس وقت فون کھڑا ڈالا۔“
اس کے لہجے سے سخت جھنجھلاہٹ ظاہر تھی جسے

کہ تم میرے لیے ان سب لوگوں سے زیادہ اہم اور
خاص ہو۔ اگر تمہارے برتھ ڈے برکوی ایک شخص
بھی تمہیں مجھ سے پہلے دُش کر دیتا تو مجھے بہت برا لگتا۔
جب تمہارا شمار میری زندگی کی سب سے اہم شخصیت
میں ہوتا ہے تو تمہاری خوشیوں میں شریک ہونے کا
سب سے پہلا حق بھی مجھے حاصل ہے لیکن تمہیں یہ
بات سمجھنے میں شاید ابھی کچھ وقت لگے گا۔“ اس نے
یکدم ہی لائن منقطع کر دی تھی۔ ریسیور ہاتھ میں
تھامے بیٹھی منی نے اپنا سر پکڑ لیا۔ جندب کے یہ
اچانک تبدیل ہوتے انداز اسے دُشرب کر دیتے تھے
وہ کوئی اجنبی نہیں تھا لیکن عمر کے اس دور میں اگر
اچانک ہی اس کے رویوں میں نیا پن پیدا ہو گیا تھا۔ یہ
روپے منی کے لیے ضرور انوکھے تھے۔

آپ کی زندگی کے اول روز سے آپ کے ساتھ
رہنے والے شخص میں اچانک ہی کوئی تبدیلی در آئے
تو حیرت تو یقیناً ہوتی ہی ہے۔ جندب اور ہادیہ دو ایسی
شخصیات تھیں جن سے اس کی دوستی محاور تا ہی

مکمل ناول

محسوس کر کے وہ ہنس پڑا اور پھر یکدم ہی سنجیدہ ہو کر
کہنے لگا۔

”خدا نہ کرے منی! کہ تمہاری زندگی میں ایسی کوئی
رات آئے جس کی صبح طلوع نہ ہو۔ میں چاہتا تھا کہ
تمہاری زندگی کے اس اہم دن پر سب سے پہلے میں
تمہیں دُش کروں۔“

”اس سے کیا فرق پڑتا ہے جندب! اب کیا صبح امی،
بلیا، ہادیہ، میرے دوست اور وہ سارے لوگ جو
تمہارے بعد مجھے دُش کریں گے، ان کی اہمیت میری
نظر میں کم ہو جائے گی۔“ وہ بڑے رساں سے اسے
سمجھا رہی تھی۔

”سب سے پہلے تمہیں دُش کرنا تمہاری نظر میں
غیر اہم ہی کیوں نہ ہو لیکن میں تمہیں یہ بتانا چاہتا ہوں



نہیں، "حقیقتاً" بھی۔ سنگھوڑے میں ہو گئی تھی۔
جندب اس کے بڑے ماموں کا بیٹا تھا جبکہ ہادیہ چھوٹے
ماموں کی بیٹی۔ منی کی امی خدیجہ اپنے دونوں بھائیوں
سے بڑی تھیں۔ ایک ہی قطار میں بنے ان تینوں بہن
بھائیوں کے گھر جو دراصل ٹانا لپا کی طرف سے ان
لوگوں کو ترکے میں ملے تھے۔ جہاں لوگوں کے لیے
وچسپی کا باعث تھے وہیں منی، جندب اور ہادیہ کی ایک
ایک دن کے وقفے سے ہونے والی پیدائش بھی بہت
دلچسپ تھی۔ منی یکم مارچ، جندب دو مارچ اور ہادیہ
تین مارچ کو دنیا میں جلوہ افروز ہوئی تھی۔

جہاں ان تینوں کی لگا تار پیدائش نے لوگوں کو اس
اتفاق پر حیران کیا تھا وہاں یہ بات بھی قابل ذکر تھی کہ
تینوں ہی بچے اپنے گھر والوں کے لیے خصوصی اہمیت
اور توجہ کے مستحق قرار پائے تھے۔ منی دو بھائیوں کے
بعد پیدا ہونے والی پہلی بہن تھی جو ہمیشہ اکلوتی بھی
رہی، جندب بڑے ماموں کا سب سے بڑا بیٹا تھا جس
کے بعد تین بہنیں دنیا میں وارد ہوئیں اور وہ ہنوز
اکلوتے پن کی مسند پر براجمان رہا۔ ہادیہ کا معاملہ ان
دونوں سے بھی زیادہ خاص تھا کیونکہ وہ چھوٹے ماموں
کی اکلوتی دختر نیک اختر تھی۔

تین اکلوتوں کی یہ تکون ایک ساتھ پروان چڑھی
تھی اور تینوں کے درمیان دوستی کا رشتہ بڑی مضبوطی
سے استوار تھا۔ اگرچہ مزاج تینوں ہی کے مختلف تھے
لیکن پھر بھی وہ تینوں ایک دوسرے کے دوست تھے۔
مزاج کے فرق نے تمام معاملات کے ساتھ ساتھ
تعلیمی زندگی میں بھی اختلاف پیدا کیا تھا۔ وہ تینوں تین
الگ الگ مضامین میں گریجوئیٹ تھے۔

جندب نے کامرس کو اپنایا تھا۔ ہادیہ سائنس کی
گریجوئیٹ تھی جبکہ منی نے قابلیت کے عمومی
نظریے سے اختلاف کرتے ہوئے سائنس یا کامرس
کے بجائے آرٹس کا انتخاب کیا تھا۔ دراصل ہر عام
شے سے اختلاف کرنا اور اپنے دلائل کے ذریعے اس
اختلاف کو درست ثابت کرنا اس کے مزاج کا ایک

لازمی جز تھا۔ اس میں دوسروں سے مخالف سمت ہمار
بھی اپنی بات کو صحیح ثابت کرنے کی جو اہلیت تھی ہادیہ
کو مد نظر رکھتے ہوئے اس نے اپنے لیے وکالت کے
پیشے کا انتخاب کیا تھا۔ اس کے انداز کی قطعیت
سرگرمی، حاضر جوابی، جوش و خروش مل کر ایل ایل بی
کے تیسرے سال میں ہی اسے ایک مکمل ویل ثابت
کرتے تھے۔

اس کے برعکس جندب اور ہادیہ نے تعلیمی سلسلہ
منقطع کر کے عملی زندگی میں قدم رکھ دیا تھا۔ جندب
بڑے ماموں کے بزنس کی تمام تر ذمہ داریاں اپنے
شانوں پر اٹھائے ہوئے تھا، لہذا باقاعدہ تعلیم جاری
رکھنا اس کے لیے ممکن نہ تھا، البتہ بزنس اینڈ مینجمنٹ
سے متعلق کئی شارٹ کورسز اس نے کر رکھے تھے اور
آج کل کاروباری حلقوں میں اپنی کم عمری کے باوجود
بھی ایک کامیاب اور زیرک بزنس مین گردانا جاتا تھا
جس کے ہاتھ مٹی کو بھی سونا بنانے کا گرجانتے تھے۔

ان کی تکون کا تیسرا کونہ یعنی ہادیہ۔ سائنس پڑھنے
اور اچھے خاصے مارکس حاصل کرنے کے باوجود ایم
ایس سی کرنے کے لیے راضی نہیں ہوئی تھی۔
سائنس اسٹوڈنٹس کی عمومی خشک مزاجی کے برعکس
بڑی رومانوی مزاج رکھنے والی لڑکی تھی۔ گھر سجانا
مہمانوں کی خاطر تواضع کرنا، نئی نئی ڈش تیار کرنا اور
دوستوں کی خوشیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا اس کے
مشاغل تھے۔ گریجویشن کے بعد کا سارا عرصہ اس نے
کوکنگ، کٹنگ، پیکنگ، فلاور میکنگ، گلاس پیٹنگ
اور نہ جانے کون کون سے کورسز کرنے میں گزارا تھا
اور اب اپنا ذاتی انڈسٹرل ہوم چلا رہی تھی۔ منی کی امی
ہادیہ کی مثال دے دے کر منی کو لڑکیوں والے شوق اور
کاموں کی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کرتیں لیکن
جو کسی کی بات سے قائل ہو جائے وہ منی ہادیہ کی
شخصیت ہو ہی نہیں سکتی تھی۔

وہ کہتیں۔ "دیکھو ہادیہ کتنے مزیدار بڑا اور ٹھیک
بناتی ہے اور تم ہو کہ آج تک روٹی بھی بنانا نہیں

دوسرے رشتہ جواب آتا۔

”یہی۔“ دوسرے رشتہ جواب آتا۔
”روٹی کا کیا ہے ای! پندرہ بیس دن بھی لگ کر پکاؤں
کی تو اسے دن بنانا آجائے گی لیکن کیرہ پھانے کے لیے تو
انسان کو وقت دینا پڑتا ہے۔ یہ کوئی روٹی پکانے کا معاملہ
نہیں کہ چند دن میں پورا ہو جائے۔“

”اور اپنی پندرہ بیس دن کے اندر سیکھی گئی روٹی کو تم
پانی کے ساتھ لوگوں کے سامنے پیش کیا کرو گی۔ لی بی!
سارے لوگ جاتے ہیں عورت کو سالن میں نمک مرچ کا
ساب رکھنے میں اور پھر بھی مرد ایک لقمہ کھا کر
رجسٹر کر دیتا ہے۔“ وہ اسے گھور کر کہتیں۔

”ہلے سالن۔ سینکڑوں ڈشمنز کے تیار شدہ
مسالے ملتے ہیں بازار میں اور ہزاروں کتابیں بھری
ہوتی ہیں کھانا پکانے کی ترکیبوں سے۔ بڑھی لکھی
ہوں ایک ایک چیز تاپ تول کر ڈالوں گی تو کی بیشی کا
مول ہی پیدا نہ ہو سکے گا۔“ وہ قہقہہ لگا کر کہتی۔

”ابھی برتھ ڈے جنڈب! یہ پکڑو اپنا گفٹ۔“
بڑے فارمل سے انداز میں اسے مبارکباد دے کر اس
کے ہاتھ میں تحفہ تھمایا۔

”اتنا بھاری بھر کم تحفہ تو نہیں لائی ہو تم میرے لیے
جو یوں ادھ مولی ہوئی جا رہی ہو۔“ اس کے انداز پر وہ
خفا ہوا۔ یوں بھی وہ کافی لیٹ پیچی تھی۔ کوئی باقاعدہ
فنکشن چاہے اریج نہ کیا جائے وہ تینوں سالگرہ پر
ایک دوسرے کے گھر جا کر خوش ضرور کرتے تھے۔ آج
بھی ایسی کافی دیر پہلے پہنچ گئی تھی اور اب شمرہ اور ثانیہ
کے ساتھ کچن میں کھسی ڈنر کی تیاری میں مصروف
تھیں۔ ایسے میں اس کا لیٹ پیچنا یقیناً قابل گرفت تھا۔
”نواہ مت بولو“ کلج سے آفس اور آفس سے
جنڈب کے گفٹ کے لیے خوار ہونے کے بعد سیدھی
پہن آ رہی ہوں۔ لہذا ممکن ہوتا تو لازمی ہے۔“

اس نے چکر اسے وضاحت دی۔ اگرچہ وہ ابھی
مکمل ویل نہیں بنی تھی لیکن یہ سڑا سمجھائی ہو کہ بابا

کے دوست تھے ان کا آفس جوائن کر لیا تھا۔ کچھ بابا
سے دوستی کی وجہ سے اور کچھ اس کی قابلیت اور ذہانت
کو دیکھتے ہوئے ہیر سٹر ہمدانی نے اس کو اپنے آفس
میں آنے کی اجازت دے رکھی تھی۔

”بندہ کسی کی برتھ ڈے پر آتا ہے تو کوئی بکے نہ
سہی“ ایک ادھ گلاب کی کلی ہی ساتھ لے آتا ہے۔
یہاں تو اٹھا کر روکھا سا گفٹ منہ پر دے مارا ہے۔
اب اس کا دوسرا شکوہ شروع ہو گیا تھا۔ منی کو ہنسی
آنے لگی۔

”کوئی بات نہیں۔ میں نہیں لائی پھول تو ہادیہ تو لائی
ہے نا۔ اتنے سارے ہیں تم سمجھ لیتا کہ یہ ہم دونوں کی
طرف سے ہیں۔“ سامنے ٹیبل پر رکھا مصنوعی پھولوں
کا بکے ہادیہ کے ہنرمند ہاتھوں کا جادو تھا۔ وہ یہ بات بغیر
کسی کے بتائے بھی جان سکتی تھی۔

”اب میں مصنوعی گلاب کی کلی تو تمہارے بالوں
میں لگانے سے رہا۔ برتھ ڈے ہے۔ انسان ذرا آج
کے دن شوخی میں آہی جاتا ہے۔ انسان اگر دل چاہے
پر اپنی محبوبہ کے بالوں میں گلاب کی ایک کلی نہ لگا سکے تو
کتنا بے چارہ سالگتا ہے۔ تم سمجھ ہی نہیں سکتیں۔ اگر
تمہیں اس بات کا احساس ہوتا تو آج کے دن یہ تیل چپڑ
کرینائے گئے بالوں کے بجائے کوئی خوبصورت ساہینو
اسٹائل۔“

بڑی روانی سے بولتے بولتے اس کی نگاہ منی کے
غصے سے سرخ ہوتے چہرے پر پڑی تھی اور وہ باقی کا جملہ
دانتوں تلے بمشکل روک سکا تھا۔

”میں جتنا تمہاری فضول باتوں کو نظر انداز کرتی
ہوں تم اتنا ہی میرے سر پر چڑھے جا رہے ہو۔ آخر
تمہارے ساتھ مسئلہ کیا ہے؟“ وہ بڑے جارحانہ
تیوروں کے ساتھ اس سے باز پرس کر رہی تھی۔

مسئلہ ہوں تو نگاہیں نہ چڑاؤ مجھ سے
اپنی چاہت سے توجہ سے مجھے حل کرو
وہ اتنی آسانی سے باز آنے والا نہ تھا۔ اس کی خفگی
کے باوجود بھی اپنے دل کی بات کہہ ہی گیا۔ باقی سب

لوگ اس کمرے سے باہر ادھر ادھر مصروف تھے۔ کچھ اس لیے بھی اسے منی سے الجھنے میں آسانی تھی۔
 ”اوہو یہاں تو لگ رہا ہے شعر و شاعری کا پروگرام چل رہا ہے۔“ ثانیہ کے ساتھ اندر داخل ہوئی ہادیہ نے کہا۔ اس نے اپنے ہاتھوں میں بڑا خوبصورت سا برتھ ڈے ایک اٹھار کھا تھا۔ جسے اب ڈائننگ ٹیبل پر رکھ رہی تھی۔

”تم لوگ مصروف تھے۔ میں نے سوچا منی بور ہو رہی ہوگی“ اس لیے اسے وصی شاہ کی شاعری سنا کر بورت سے بچانے کی کوشش کر رہا تھا۔ ”منی کے لال بھجھو کا چہرے کی طرف دیکھتا وہ نہایت اطمینان سے کہہ رہا تھا۔ ان لوگوں کے کمرے میں آجانے کی وجہ سے اسے اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کا موقع نہیں ملا تھا اور اب ہونٹ پیچھے غصے کو قابو کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

”تم منی کو شعر سنار ہے تھے جب ہی تو کہوں اس کا چہرہ ایسا کیوں ہو رہا ہے۔“ ہادیہ مننے لگی۔ وہ سب جانتے تھے کہ منی کو شعر وغیرہ ٹائپ کی کسی چیز میں کوئی دلچسپی نہیں بلکہ وہ تو باقاعدہ چرتی تھی ان چیزوں سے۔
 ”جندب بھائی! چلیں جلدی سے ایک کاٹ لیں“ بہت دیر ہو گئی ہے، ہم سب کا بھوک سے برا حال ہو رہا ہے۔“ کسی مزید بات سے قبل ثمرہ نے جندب کو ٹیبل کی طرف کھینچ لیا تھا۔ ثمرہ، ثانیہ اور ہادیہ کے خوشگوار موڈ کو دیکھتے ہوئے منی کو بھی ان کی خاطر خود پر قابو پانا پڑا اور جلد ہی وہ بھی اس ماحول کا حصہ بن گئی۔

”چلیں ہادیہ آپنی! منی آپنی! بھائی کے بیڈروم میں چلتے ہیں۔ وہاں زیادہ مزا آئے گا۔“ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد ثمرہ نے کہا تو ان سب نے مل کر اس کے بیڈروم پر ہلا بول دیا۔ وہ اپنے بیڈروم کی سپیشل اور صفائی ستھرائی کے معاملے میں بہت زیادہ کانشس رہا تھا اور عام حالات میں ماں کے علاوہ ہمیشہ وہاں قدم رکھتے ہوئے ڈرتی تھیں۔ لہذا آج کے دن کو گولڈن

جانس سمجھتے ہوئے اس کے تمام تر احتجاج کے باوجود لوگ وہاں جا گئے۔

”انکل! آئی کب واپس آئیں گے لاہور سے؟“ چائے کا سب لیتی ہادیہ نے ثانیہ سے پوچھا۔
 ”ابھی ایک آدھ دن اور لگے گا۔ آج تو بارات تھی کل واپس ہے۔ اسے اینڈ کرنے کے بعد ہی آسکیں گے۔ اصل میں ڈیڈی کے نہایت عزیز دوست ہیں انکل صمد! اسی لیے ان لوگوں کو جانا پڑا۔ صبح فون آیا تھا۔ منی تو کافی اداس ہو رہی تھیں کہ بھائی کا برتھ ڈے ہے اور وہ اتنی دور بیٹھی ہیں۔ وہ تو بھائی نے ان سے بات کر کے کافی سمجھایا بچھایا تو انہیں تسلی ہوئی۔“ ثانیہ نے جواب دیا۔ وہ لوگ چھوٹی ثوبیہ کے ساتھ اپنے عزیز دوست صمد کے بیٹے کی شادی میں شرکت کرنے لاہور گئے ہوئے تھے۔

”کیا بوریت پھیلا رکھی ہے تم لوگوں نے۔ جب اس کے بیڈروم میں آبی گئے ہو تو یہاں کی چیزوں کو بھی استعمال کرو۔ چلو ثمرہ! ذرا تم اس کے P.C پر کوئی اچھی سے گانوں کی سی ڈی لگا دو۔“ ہردم متحرک رہنے والی ہادیہ کو بے چینی ہوئی۔

”لگا دوں بھائی!“ ثمرہ نے جھجھکتے ہوئے اس سے اجازت طلب کی۔

”اگر لگا سکو تو لگا لو۔“ وہ کندھے اچکا کر مسکرایا۔

”اوہ۔ انہوں نے تو پاس ورڈ لگا رکھا ہے اپنے پی سی پر، جب ہی اتنے مزے سے اجازت دے رہے تھے۔“ اپنی کوشش میں ناکام ہونے کے بعد ثمرہ نے ان سب کو مطلع کیا۔

”یہ چیٹنگ نہیں چلے گی جندب! پاس ورڈ بتاؤ اپنا۔“ ہادیہ نے اسے گھورا۔

”پاس ورڈ اس لیے تھوڑی ہوتا ہے کہ سارے زمانے کو بتایا جائے۔ کمپیوٹر رکھا ہے تم لوگوں کے سامنے کھولنے میں کامیاب ہو سکو تو کھول لو۔“ بڑی دل جلاتے والی مسکراہٹ کے ساتھ اس نے چیلنج کیا تو

وہ سب کی سب اس کے کمپیوٹر پر جت گئیں۔ اس کے ہم گنہ آف پر تھ اشار کے ساتھ ساتھ ہر وہ چیز جو اس سے وابستہ تھی اور ان لوگوں کے دھیان میں آسکتی تھی وہ لوگ بطور پاس ورڈ اپلائی کر کے دیکھتی رہیں۔ لیکن کامیاب نہ ہو سکیں۔ یہاں تک کہ کافی دیر سے خاموش بیٹھتی منی۔ بھی ان لوگوں کی اس مہم میں شریک ہو گئی۔

”میرا خیال ہے اس پر ٹائم ضائع کرنا بیکار ہے ہادیہ آئی! ہم لوگ سی ڈی پلیئر پر کوئی سی ڈی لگا لیتے ہیں۔“ اپنی تمام تر کوششوں میں ناکام ہونے کے بعد نمونے کہا تو اس کی بات سے اتفاق کرتے ہوئے ہادیہ نے بھی ہار مان لی۔ اب وہ لوگ کارپیٹ پر بیٹھے اسکرین پر کھیل رہے تھے۔ جنڈب بھی ان کے ساتھ شامل ہو گیا تھا البتہ منی بڑی دلچسپی سے کمپیوٹر کے ساتھ جتی ہوئی تھی۔ بظاہر سب کے ساتھ مصروف جنڈب اس پر سارا دھیان رکھے ہوئے تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اس کا پاس ورڈ معلوم کرنا منی کے لیے چیلنج بن چکا ہے اور وہ اب اس میں کامیاب ہوئے بغیر پیچھے نہیں ہٹے گی۔

”ایم آئی این اے۔“ اپنے نام کے حروف ٹائپ کر کے اس نے انٹر کو پریس کیا تھا لیکن کامیاب نہ ہو سکی پھر یکدم ہی ایک خیال اس کے ذہن سے ٹکرایا اور اس نے اپنے نام کے ساتھ جنڈب کا نام بھی ٹائپ کر کے ایک آخری کوشش کے طور پر انٹر پریس کیا تھا۔ اس بار وہ ناکام نہیں رہی تھی۔

جنڈب جو گاہے بگاہے اس کی مصروفیت پر نظر ڈال رہا تھا اس کے کامیاب ہونے پر کھل اٹھا۔ ”منی جیت گئی۔“ وہ بے ساختہ ہی بولا۔

”منی کھیل نہیں رہی تو جیتے گی کیسے۔“ پوری طرح اسکرین کی طرف متوجہ ہادیہ نے اسے ٹوکا۔ ”میں اس گیم کی نہیں اس کی بات کر رہا ہوں۔“ ”تو سب اشارے سے کمپیوٹر کی طرف متوجہ کیا۔ ”یہ منی! تمہیں پتا چل گیا اس کا پاس ورڈ۔ چلو

ہمیں بھی بتاؤ۔ بہت ہی دیر ہو رہی تھی اور منی نے اسے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کی خاموشی پر جنڈب کے لبوں پر بڑی معنی خیزی مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ کبھی بھی کسی کو اس کا پاس ورڈ نہیں بتا سکے گی وہ جانتا تھا۔

”بتاؤ نا منی!“ دوسری طرف ہادیہ کا اصرار جاری تھا۔ ”مجھے نہیں پتا چلا“ وہ تو میں ایسے ہی کی بورڈ پر انگلیاں چلا رہی تھی۔ اتفاقاً ہی کامیاب ہو گئی۔“ اس نے بہانہ بنایا اور کمپیوٹر ٹیبل کے سامنے سے اٹھ کر گلاس وینڈو کے پاس جا کھڑی ہوئی۔ اب اس کی نظرس لان کے پودوں پر جمی ہوئی تھیں۔ ہادیہ شمر اور ثانیہ کو لے کر کمپیوٹر پر کوئی گیم کھیلنے میں مصروف ہو گئی تھی۔ ”تمہیں میرا پاس ورڈ کیسے معلوم ہوا منی!“ اس کے پیچھے کھڑا وہ یقیناً اسے چھیڑ رہا تھا۔

”تمہارے دماغ میں آج کل جو خناس بھرا ہے اس کی وجہ سے معلوم ہوا۔“ وہ واقعی چیز گئی تھی۔ ”میرے دل میں جو پیار بھرا ہے کاش تم اس کا ذکر کرتیں۔“ وہ اب بھی اس کو جلدانے سے باز نہیں آیا۔ ”جنہم میں جاؤ تم اپنے دل کے ساتھ میرا ہی دماغ خراب تھا جو بچپن کی دوستی کا لحاظ کر کے تمہاری برتھ ڈے میں چلی آئی۔“ وہ غصے کی انتہا پر پہنچ کر وہاں سے واک آؤٹ کر گئی تھی۔

”ارے۔۔۔ یہ منی کیوں اس طرح اچانک چلی گئی۔ کہیں تم نے تو اسے کچھ نہیں کہا؟ ہادیہ نے چونک کر جنڈب سے پوچھا۔

”نہیں بھلا کیا کہہ سکتا ہوں اسے اور کچھ کہہ دیتا تو تمہارے خیال میں وہ اتنی خاموشی سے چلی جاتی۔ ابھی اس کمرے میں وکیل صاحب عدالت لگا کر بیٹھ جاتیں اور مجھ بندہ ناچیز کو پانچ سال قید بامشقت کی سزا دلو کر

جان چھوڑتی۔“ ”تم بھی کسی بات کا سیدھا جواب مت دیا کرو۔“ ہادیہ اس پر ناراض ہوئی۔

”وکیل صاحب پہلے ہی ہم پر اپنا خاصا قیمتی ٹائم خرچ چکی تھیں لہذا انہوں نے مزید اپنی اس دولت کا ضائع ہونا پسند نہیں فرمایا اور یہاں سے چلی گئیں تاکہ باقی ماندہ وقت کو کارآمد بنا سکیں۔“ جنڈب نے عادتاً ”جی بات کی۔“

”بڑھتے تو سب ہیں لیکن منی تو جنونی ہو گئی ہے اپنی فیلڈ میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے۔ مجھے ڈر لگتا ہے اس کے جنونی پن سے“ اپنی اس دیوانگی کے ہاتھوں کہیں کوئی نقصان نہ پہنچ جائے اس لڑکی کو۔“ ہادیہ تشویش سے بولی۔ ”اللہ نہ کرے۔“ پل بھر کو جنڈب کے دل کی دھڑکن منتشر ہوئی اور اس نے بڑی بے ساختگی سے کہا تھا۔

* * *

”چھن۔۔۔ چھن۔۔۔ چھن۔۔۔“ عجب سے آتی آوازوں پر اس نے بے ساختہ ہی مڑ کر دیکھا تھا اور اس کی آنکھوں میں حیرانی در آئی تھی۔ کاسنی چوڑی دار پاجامے پر ڈارک پریل آرگنڈائیٹ کا بھاری کلدار حیدر آبادی کرتا اور بڑا سا کاسنی اور پریل ٹائی اینڈ ڈائی کا آرگنڈائیٹ کا ہی دوپٹہ اوڑھے پیروں میں پازیب چھنکاتی اس کی طرف بڑھتی لڑکی منی ہاشمی ہی ہے۔ اس بات کا یقین کرنے کے لیے اس نے اپنی آنکھوں کو پوری طرح پھاڑ کر منی کے وجود پر جمایا تھا۔

”جنڈب! ذرا یہ اس کڑے کالا کتولگاؤ۔ کم بخت لگ کر ہی نہیں دے رہا۔“ وہ جھنجھلائی سی اس کے قریب آکھڑی ہوئی تھی۔

”کزن! یہ تم ہی ہو یا میری آئی سائیڈ ویک ہو گئی ہے جو میں اتنا عجیب و غریب نظارہ دیکھ رہا ہوں۔“ کڑے کا لاک لگاتے اس نے چھیڑا۔ واضح اشارہ اس کے چلنے کی طرف تھا۔

”ہماری والدہ محترمہ کا کارنامہ ہے یہ۔ میرے پاس تو تمہیں پتہ ہے فرصت ہی نہیں ہوتی۔ ان سے کہہ دیا تھا کہ میری شاپنگ بھی آپ کرو چکے گا۔ اب تیار

ہونے بیٹھی تو اتنے زرق برق کپڑے اور عجیب و غریب جیولری نکال کر سامنے رکھ دی۔ اگر عمار بھائی کی شادی کا مسئلہ نہیں ہوتا تو صاف انکار کر دیتی مگر اب تو ذرا بھی اعتراض کی گنجائش نہیں۔ تھوڑا سا بھی احتجاج کیا تو ان کا بی بی شوٹ کر جائے گا۔ ان کی خوشی کے لیے بکروں جیسا حال بنا لیا ہے میں نے۔ چلتی ہوں تو قربانی کے جانور کی طرح چھن چھن کی آوازیں آتی ہیں۔“ منہ بناتے ہوئے اس نے جواب دیا۔

”آج پہلی بار مجھے احساس ہو رہا ہے کہ بکرے بھی خاصے ٹھیک ٹھاک ہوتے ہیں۔ کم از کم تمہارے معمول کے چلنے کے مقابلے میں بکروں والا حلیہ خاصا معقول ہے۔“

وہ اس کی حالت سے محفوظ ہو رہا تھا۔ اپنی اس کزن کی عادت سے وہ بچپن سے واقف تھا۔ عام لڑکیوں کی طرح بجنا، سنورنا، فیشن کرنا اسے آتا ہی نہیں تھا۔ دو بھائیوں کے ساتھ پل کر بڑی ہوئی تھی تو عادتیں اور مزاج بھی لڑکوں والا اختیار کر لیا تھا۔ خدیجہ پھپھولا کہ جانتیں کہ اکلوتی بیٹی کو لڑکیوں والے قالب میں ڈھال سکیں لیکن وہ ان کے ہاتھ ہی نہیں آ پائی تھی۔ خصوصاً ”لاء میں ایڈمیشن کے بعد سے تو وہ بالکل ہی بدل گئی تھی۔ سارا سارا دن مصروف اور اپنے آپ سے غافل رہ کر پڑھائی کے پیچھے خوار ہونا اس نے اپنا معمول بنارکھا تھا۔ اس کی حد سے بڑھی ہوئی مصروف زندگی ہی کا کمال تھا کہ اسے گھر میں ہونے والی پہلی شادی کی تیاری کرنے کی بھی فرصت نہ تھی اور اس نے اپنی شاپنگ کی ذمہ داری بھی امی کے کاندھوں پر ڈال دی تھی۔ نیچت مزاج سے کافی ہٹ کر ڈریس اپ ہونا پڑ رہا تھا۔

”تم اتنی جلدی تیار ہو گئیں باقی لڑکیاں اور خواتین کہاں ہیں“ مجھے پھپھانے لیڈیز کی تیاری کے بارے میں ہی معلوم کرنے کے لیے اندر بھیجا ہے۔ تم لوگوں کی راہ دیکھ رہے ہیں۔ سہرات کی روانگی کے لئے مقرر کیے ہوئے ٹائم سے آدھا گھنٹہ اوپر ہو چکا ہے۔ اب اگر

میں کا یہ ہوتی ہو جائے گا۔
اس سے استفسار کرتے
اپنے چہروں کی لیا پو
ہوتی ہوں۔“ وہ چھن
لے مڑتی۔
شاید اسے اندر کوئی انوکھا پن
ہمیشہ زندگی گزارتے جنڈب
کے ساتھ منی ہاشمی
جس کے ساتھ منی ہاشمی
بہت جلد تک دیے بہت خاص
منی ہاشمی آئی تھی اور اس نے
منی ہاشمی سے اس کے لیے
لیکن دوسری طرف
ایسے نازک احساسات
نہیں تھی۔ چنانچہ اس کو را
جب شاہ کی زندگی کا ایک
* * *
ہمارا معاملہ نظر آتا تھا
ایسے مالی لحاظ سے
کے کا اپنی کزن سے محبت
میں بھی یہ
منی ہاشمی کے
ایسی
کو پروپو
اور سارا
میں وہ
وہ جانتا
اور
کے لیے راضی

حنا

بہنوں کا اپنا ماہنامہ

جون کا شمارہ شائع ہو گیا ہے

لاہور

جون 2004 کے شمارے کی ایک جھلک

☆ اداکارہ عذرا صدیق سے گفتگو

☆ اس ماہ کی شخصیت میں: ہاکی کے کھلاڑی محمد عثمان کی باتیں

☆ منائل بٹ کا مکمل ناول: محبت زندگی کی صورت

☆ میٹرا عشق وی تو: افشاں فاروقی کا مکمل ناول

☆ زرنین آرزو کا ناولٹ: ستاروں کی ہمسفر آنکھیں

☆ سباس گل کا ناولٹ: یہ علم کا سودا

☆ سحر یہ وحید عالم، شمع جبین، صاعقہ ملک، راحیلہ سمیع

اور زریں صدیقی کے افسانے

اس کے علاوہ

بیارے نی پٹیل کی پیاری باتیں، انشاء نامہ

اور انٹرویوز کے علاوہ

ساحلوں کی اداسی زرنین آرزو کا سلسلے وار ناول

سیمابنت عاصم کا ناول عشق میں روگ ہزار سائیں

اور حنا کے بھی مستقل سلسلے شامل ہیں

حنا کا شمارہ آج ہی طلب فرمائیں۔

مزید ہوتی تو پچھتا جان کا پارہ ہائی ہو جائے گا۔ اسے اندر
آنے کا مقصد یہ آیا تو وہ اس سے استفسار کرنے لگا۔
”جی ہوتی ہیں سب اپنے چہروں کی لپٹا پوتی میں۔
ابھی جا کر بابا کا پیغام پہنچائی ہوں۔“ وہ چھن چھن کرتی
ہوائ سے جانے کے لیے مڑ گئی۔

اور بس وہ لمحہ شاید اسے اندر کوئی انوکھا پن رکھتا تھا
کہ بچپن سے ساتھ زندگی گزارتے جنڈب شاہ کا دل
یا تل کی چھن چھن کے ساتھ منی ہاشمی کے قدموں
سے جا پلٹا تھا۔ محبت بنا دستک دیے بہت خاموشی سے
اس کی زندگی میں چلی آئی تھی اور اس نے بھی بڑی
خندہ پیشانی اور فراخ دلی سے اس کے لیے اپنے دل کے
دروازے وا کر دیے تھے لیکن وہ سری طرف جس لڑکی
سے وابستہ پڑا تھا وہ ایسے نازک احساسات و جذبات کی
خندہ گرد نا جانتی ہی نہیں تھی۔ چنانچہ اس کو رام کرنے کی
خاطر خواہ ہونا جنڈب شاہ کی زندگی کا ایک اہم ترین
مشن بن گیا تھا۔

بظاہر کتنا سیدھا سادا معاملہ نظر آتا تھا۔ ایک اچھے
خالصے خوبرو ویل مینوڈ، مالی لحاظ سے مستحکم اور
خاندان کے لڑکے کا اپنی کزن سے محبت کرنا اور اسے
اپنا لینا جنڈب شاہ کی زندگی میں بھی یہ معاملہ سیدھا
ساوا ہو سکتا تھا اگر جو اس نے منی ہاشمی کے سوا خاندان
کی کسی اور لڑکی کا انتخاب کیا ہوتا۔ ایسی صورت میں
اسے صرف ایک بار اپنے بزرگوں کو پروپوزل دے کر
لڑکی والوں کی طرف بھیجنا ہوتا اور سارا مسئلہ حل
ہو جاتا لیکن منی کے معاملے میں وہ یہ طریقہ کار
استعمال نہیں کر سکتا تھا۔ حالانکہ وہ جانتا تھا کہ خدیجہ
پچھو پچھا، عمار بھائی، علیہ بھائی اور اظفر سب ہی
دل و جان سے اس رشتے کے لیے راضی ہو جائیں

لیکن ساری بات تو اس لڑکی کی تھی جو نہایت منفرد
مختلف خیالات کی مالک تھی جس کے ساتھ زندگی نے

بیش بہت نرم رویہ رکھا تھا اور پھر بھی وہ اس سے لڑتی پھرتی تھی۔ جسے خوشیوں اور آسانیوں کے سوا کچھ عطا نہیں کیا گیا تھا لیکن وہ غموں اور دکھوں کو ڈھونڈتی پھرتی تھی اس کے پاس جلنے، کڑھنے اور دنیا سے لڑنے کے لیے بہت سے موضوعات اور وجوہات تھیں۔ اور وہ اس کی طرح وہ اخباروں میں کسی لڑکی کے اپنے آشنا کی خاطر ماں باپ کو ہلاک کر دینے کی خبر پڑھ کر اسے برا بھلا کہنے نہیں بیٹھتی تھی بلکہ اس واقعے کے پیچھے پوشیدہ سازش کی بو سونگھتی پھرتی تھی۔ اسے قلم اندیشی میں چند گنی چنی اور عمر رسیدہ ہیروئیز کی موجودگی اور نئے "ٹیلنٹ" کو پیش کیے جانے کی تجاویز پر غور کرنے سے کوئی دلچسپی نہیں تھی لیکن وہ صوبائی اور قومی اسمبلیوں میں خواتین کی نشستیں برہمائے جانے کے موقف کی پرزور حمایت کرتی تھی۔

اسے سامنے والے فاروقی صاحب کی بیٹی کے ہر دوسرے روز جلنے والے الفیوز پر کوئی اعتراض نہیں تھا لیکن وہ فاروقی صاحب کے بجلی چوری کرنے کا بڑی شدت سے نوٹس لیتی تھی۔ بلکہ ایک بار اس نے فون کر کے اے ای ایس سی کے دفتر میں ان کی شکایت بھی کر دی تھی اور اس کے نتیجے میں ان کے گھر چھاپا بھی پڑا تھا لیکن آگے کے معاملات اس کے حسب نشاء طے نہیں ہوئے تھے اور فاروقی صاحب "مک مکا" کر کے با آسانی بچ گئے تھے۔ اس روز اس نے گھر والوں کے سامنے "سٹم" کی خرابی پر بڑی طویل اور زوردار تقریر کی تھی اور ساتھ ہی اس عزم کا اظہار بھی کیا کہ وہ اپنے وکیل بن جانے کے بعد اس سٹم سے بھرپور جنگ لڑے گی۔

جندب کو تو اکثر ایسا لگتا تھا کہ وہ اس دنیا میں آئی ہی ظلم، نا انصافی اور خرابی کے خلاف جنگ کرنے کے لیے ہے اور ایسی "جنگجو" لڑکی کے سامنے محبت کی "جنگ" لڑنا نہایت پر خطر تھا لیکن وہ اس سے محبت کی حماقت تو کر ہی چکا تھا اب ایک اور "خطرہ" مول لینے میں کیا مضائقہ تھا۔

شروع شروع میں منی نے اس کی کسی بات کا کوئی

نوٹس ہی نہیں لیا تھا بلکہ شاید اس نے غور بھی نہیں کیا تھا لیکن جب بہت کچھ معمول سے ہٹ کر ہونے لگا تو وہ چونک سی گئی اور پھر معاملے کی ترس تک پہنچ جانے پر اس نے ان باتوں پر جڑنا شروع کر دیا۔ وہ اول تو زندگی کے اس موڑ کے متعلق کچھ سوچنا نہیں چاہتی تھی اور اگر سوچتی بھی تو اس کو یقین تھا کہ زندگی میں بھی اس کا انتخاب "جندب شاہ" نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ اسے ایک دوست اور کزن کی حیثیت سے تو اہمیت دے سکتی تھی لیکن جیون ساتھی کے لیے اس کی سوچ بالکل مختلف تھی۔ وہ اپنے لائف پارٹنر کو بہت زیادہ لائق، فائق اور اپنا ہم پیشہ دیکھنے کی متمنی تھی تاکہ وہ ان سب مقاصد کو پورا کرنے میں اس کا ساتھ دے سکے، جنہیں بطور وکیل وہ اپنی زندگی کا حصہ بنانے والی تھی اور اسے دو جمع دو کرنے والے جندب شاہ جیسے بزنس مین سے ایسی کوئی امید نہیں تھی۔ لہذا اس کے گریز میں بہت شدت تھی۔ وہ اپنے ہر انداز، ہر رویے سے اس پر واضح کر دیتا چاہتی تھی کہ وہ غلط سمت میں اپنے قدم بڑھا رہا ہے اور اسے اپنی راہوں کو بدل لینا چاہیے لیکن شاید وہ بھی "گریز" کی اس زبان کو سمجھنے پر راضی نہیں تھا۔

"جندب بیٹا! یہ جو کارنروالے حیدر صاحب ہیں میں نے سنا ہے کہ وہ اپنا گھر فروخت کرنے والے ہیں۔ ان کے بیٹے علی سے تمہاری دعا سلام ہے ذرا آج شام اس سے مل کر اس بارے میں معلوم کر لینا۔" ناشتے کے دوران اخبار پڑھتے منیب شاہ اچانک ہی کچھ یاد آنے پر اس سے مخاطب ہوئے تھے۔

"تخیر پت ڈیڈی! آپ کو اس گھر کے فروخت ہونے سے کیا دلچسپی پیدا ہو گئی اچانک۔"

صمد کراچی ٹرانسفر کیا جا رہا ہے۔ یوں تو اسے محکمے کی طرف سے بھی گھر مل سکتا ہے لیکن وہ یہاں ہم لوگوں کے نزدیک رہنے کا خواہشمند ہے۔ لاہور میں اس کے زیادہ تر رشتہ دار گھر کے نزدیک ہی رہتے ہیں اس لیے

یہاں آکر اسے تنہا ہو جانے کا ڈر ستا رہا ہے۔ تم ملے ہوئے تو ہونا ضرور سے جانتے ہی ہو کتنا محفل پسند اور زندہ دل قسم کا آدمی ہے اس لیے میں چاہتا ہوں کہ اس کی آمد سے پہلے پہلے یہاں آکر اس کی رہائش کا بندوبست ہو جائے اور اگر حیدر صاحب اپنا گھر فروخت کرنے پر راضی ہو گئے تو یہ ہم دونوں دوستوں کے لیے نہایت خوشی کا باعث ہوگا۔ ”ڈیڈی نے چائے کا گھونٹ بھرتے اسے تفصیلات سے آگاہ کیا۔

”اس لین میں پہلے ہی تین گھر ہم لوگوں کے ہیں۔ اگر صدر انکل نے بھی یہیں گھر خرید لیا تو لوگ سمجھیں گے کہ ہم اپنے رشتہ داروں اور دوستوں کے ساتھ مل کر اس محلے پر اپنا قبضہ جمانا چاہ رہے ہیں۔“ ثانیہ جو ان لوگوں کے ساتھ ہی بیٹھی ناشتہ کر رہی تھی بالکل اچانک بولی تو جندب اور فیب صاحب کے چہروں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔



صدر صاحب اپنی بیگم اور دونوں بیٹیوں کے ساتھ جلد ہی کراچی شفٹ ہو گئے تھے۔ صرف ان کا بیٹا اسوہ لاہور میں سروس کی وجہ سے اپنی بیوی کے ساتھ رک گیا تھا۔ صدر صاحب حسب خواہش ان لوگوں کے نزدیک گھر لینے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ ان کے کراچی آنے سے نہ صرف فیب شاہ بلکہ ہاشمی صاحب بھی بہت خوش ہوئے تھے۔ پولیس ڈپارٹمنٹ میں طویل عرصے کی ملازمت اور ان کی فطری بے ساختگی نے ان کی شخصیت کو بہت زیادہ دلچسپ بنا دیا تھا اور انھوں نے لوگ ان سے مل کر خوشی محسوس کرتے تھے۔

اس پسندیدگی کو دوستی کا درجہ دیتے ہوئے انہوں نے صدر صاحب کو اپنے گھر یا قاعدہ ڈنر پر انوائٹ کیا۔ صدر صاحب نے ان کی اس دعوت کو نہایت خوش دلی سے قبول کیا تھا۔ خوشگوار ماحول میں ہر تکلف ڈنر سے انصاف کرنے کے بعد بزرگ تو اپنی پسند کے موضوعات پر بحث و مباحثہ میں مصروف ہو گئے تھے جبکہ بچے بالائی نے ان سے ہٹ کر لیونگ روم میں اپنی

محفل سجائی تھی۔ آج منی بھی خلاف معمول ان لوگوں کے ساتھ شامل تھی کیونکہ آج کا ڈنر بطور خاص بابا کی طرف سے دیا گیا تھا اور وہ چیز جو بابا کے لیے خاص ہو اس کے لیے خود بخود ہی اہم ہو جاتی تھی۔

”لایئے منی آئی! میں آپ کا ہاتھ دیکھوں۔“ بڑی دیر سے سب کی قسمت کا حال ہاتھوں کی لکیوں کے ذریعے بتاتی غبرین نے اچانک ہی اسے مخاطب کیا۔ وہ صدر صاحب کی چھوٹی بیٹی تھی جس نے حال ہی میں ایف ایس سی کیا تھا اور اب میڈیکل میں ایڈمیشن کے لیے ٹیسٹ کی تیاری کر رہی تھی۔ ہر دم ہنسنے مسکرانے اور شور شرابا کرنے والی غبرین کے مقابلے میں اس سے بڑی مہرین کافی دھیمّا مزاج رکھتی تھی۔ اس نے لاہور سے گریجویشن کرنے کے بعد کراچی یونیورسٹی میں ایم اے میں ایڈمیشن لے لیا تھا۔ اس وقت بھی وہ لبوں پر دھیمی سی مسکان سجائے اپنی چھوٹی بہن کو سب کے ساتھ نہایت بے تکلفی سے بات چیت کرتے دیکھ رہی تھی۔

”لامیں نامنی آئی! دکھائیں اپنا ہاتھ۔ اگر آج آپ نے میری پیشکش کا فائدہ نہ اٹھایا تو مستقبل میں بہت پچھتاہیں گی کہ اتنی بڑی پامسٹ مفت میں آپ کو اپنی خدمات پیش کر رہی ہے اور آپ نے موقع گنوا دیا۔“ ”ویسے تو مجھے ان سب باتوں پر بالکل یقین نہیں ہے لیکن تم اتنا اصرار کر رہی ہو تو۔“ منی نے اس کے اصرار پر اپنا ہاتھ اس کے سامنے پھیلا دیا۔

”یہ سب ایک مذاق ہے منی! ہم سب بھی ایسی باتوں پر یقین نہیں کرتے لیکن بے ضرر سی انجوائے منٹ کر لینے میں کوئی حرج نہیں ہوتا۔“ ہادیہ نے اسے گھر کا، جبکہ غبرین اس کا ہاتھ پکڑے پورے استہاک سے اس کی ہتھیلی پر پھیلے لکیوں کے جال کا جائزہ لے رہی تھی۔

”آپ کے دماغ کی لکیر ظاہر کرتی ہے کہ آپ بہت ذہین اور اسٹرانگ ہیں۔ آپ اپنے فیصلوں پر پوری محنت سے عمل درآمد کرنے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔“ ”یہ سب تو ہم لوگوں کو اس کا ہاتھ دیکھے بغیر بھی پتا

ہے۔ تم ایسا کرو اس کے دل کی لکیر کا معائنہ کرو تاکہ ہمیں بھی تو معلوم ہو کہ وہاں کیا چھپا ہے۔" جندب نے کہا۔

"دل کی لکیر۔ ہاں ان کے دل کی لکیر بھی بہت واضح اور گہری ہے۔ اس کے ایک مخصوص ڈائریکشن میں جانے سے اس بات کا اشارہ ملتا ہے کہ انہیں زندگی میں کسی مقام پر کسی سے نہایت شدید محبت ہو جائے گی اور ہاں۔ ان کے ہاتھ میں لومیرج کی بھی لکیر ہے۔ ان کی شادی جب بھی جس کسی سے بھی ہوئی مجھے ہنڈرڈ پرمینٹ یقین ہے کہ یہ شخص وہی ہوگا جس سے انہیں شدید محبت ہوگی۔" غمگین بہت زیادہ ایکسائینڈ ہو چکی تھی۔

"بس کرو بہنا! بس کرو۔ تمہارے اتنے انوکھے انوکھے انکشافات ہمارا تمہاری پامسٹری پر سے رہا سہا یقین بھی ختم کر ڈالیں گے۔ یہ جن سارے واقعات کے ہونے کا تم ذکر کر رہی ہو ان کا منی ہاشمی کے اس جنم میں وقوع پذیر ہونے کا کوئی امکان نہیں اور دوسرا جنم ملنے پر ہم یقین نہیں رکھتے اس لیے تم اپنے "علم" کی اگر تھوڑی بہت عزت باقی رکھنا چاہتی ہو تو براہ کرم کوئی دوسرا "ٹارگٹ" چن لو۔" جندب بے اختیار اسے ٹوک گیا۔

"جندب ٹھیک کہہ رہا ہے غمگین! میری زندگی میں واقعی ان سب خرافات کے لیے کوئی گنجائش نہیں۔ یہ سارے کام وہ لوگ کرتے ہیں جن کے پاس فارغ وقت ہو جبکہ مجھے اپنی زندگی میں بہت سے اہم کام انجام دینے ہیں۔" اپنا ہاتھ غمگین کے ہاتھ سے کھینچ کر وہ نہایت پرسکون انداز میں بولی۔

"اور ان کے ضروری کاموں میں سب سے اہم اور ضروری کام دنیا کے تمام مردوں کو جھوٹا اور دغا باز ثابت کر کے جیل کی سلاخوں کے پیچھے پہنچانا ہے۔" وہ اب بھی مضحکہ اڑانے سے باز نہ آیا تھا۔

"مجھے مردوں کو دغا باز اور جھوٹا ثابت کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ جن کے خلاف میں ایکشن لینے کی بات کرتی ہوں وہ واقعی کرپٹ لوگ ہوتے ہیں۔"

"اور عورتیں۔ عورتیں کرپٹ نہیں ہوتیں۔ کبھی تعصب کی عینک اتار کر اخبارات پڑھا کرو تو تمہیں بھی معلوم ہو کہ روزانہ کتنی عورتیں اغوا اور منشیات کے کیس میں شامل جرم ہوتی ہیں اور انتہا تو یہ ہے کہ تمہاری یہ مظلوم عورتیں اپنے سوکالڈ لورڈ کی خاطر اپنے گھر والوں کو قتل تک کر گزرتی ہیں۔" وہ نہایت سنجیدگی سے بولا۔

"جو اخبارات میں خبریں پڑھ کر ان عورتوں کے حالات سے واقف ہوتے ہیں ان کی رائے تمہاری طرح بے رحم ہو سکتی ہے جندب شاہ! لیکن میں ان عورتوں کے سامنے بیٹھ کر ان کا حال سنتی ہوں۔ گھر سے بھاگ جانے کا الزام تو لگا دیتے ہو تم لوگ عورت پر لیکن یہ نہیں دیکھتے کہ اس کے پیچھے وجہ کیا تھی۔ جب حقوق کو پامال کرو گے تو احتجاج کے لیے آوازیں تو لازمی بلند ہوں گی۔ پھر تم یہ دیکھو کہ عورت کو اس چور راستے پر لانے والا کون ہوتا ہے۔ تنہا عورت تو کبھی اتنی بہادر نہیں ہوتی۔ باہر آسرا دینے والے اور خواب دکھانے والے لوگ ہوتے ہیں۔"

جب اپنی جائز بات کے بدلے میں دوسرے کی ناجائز بات کو خاموشی سے برداشت کرنے کا حکم ملے تو بغاوت کا بودا تو دل میں جڑ پکڑ ہی لیتا ہے اور امتیازی رویے مسلسل اس پودے کی آبیاری کر کے اسے تناور درخت میں تبدیل کر ڈالتے ہیں۔ بہت چھوٹی چھوٹی باتیں ہوتی ہیں جندب! جن کا شکوہ ہماری عورت اپنے دل میں لیے بیٹھی ہوتی ہے۔ اگر ان چھوٹی چھوٹی نا انصافیوں کو ختم کر دیا جائے تو عورت کبھی اتنے بڑے بڑے جرائم کی راہ پر قدم نہ رکھے۔ اس کی آواز میں ایک محسوس کیا جانے والا دکھ تھا۔

"اگر اتنی چھوٹی چھوٹی باتوں پر عورت اپنے دل میں شکوؤں کا انبار جمع کر لیتی ہے تو پھر تم لوگ اس بات کو دھنڈورا کیوں پیٹتے ہو کہ عورت سرپا قربانی ہے جو اپنے ذات کو مٹا کر دوسروں کی خوشیوں کا خیال رکھتی ہے۔"

"قربانی دینے اور قربانی لینے میں زمین آسمان کا فرق

ہوتا ہے۔ اپنی خوشی اور رضا سے دینے کی بات ہو تو مجھے یقین ہے کہ عورت اپنے حلق کا نوالہ بھی نکال کر دے سکتی ہے لیکن جب زبردستی قربانی لی جا رہی ہو تو اپنی اور اپنے بھائی کی پلیٹ میں موجود ایک بوٹی کا فرق بھی بہت واضح دکھائی دیتا ہے۔

”خدا کے لیے بس کرو تم لوگ ایک چھوٹی سی بات کو پکڑ کر کہاں سے کہاں پہنچا دیا اور اس منی کی بچی کو تو موقع چاہیے ”حقوق نسواں“ پر تقریریں کرنے کا۔ بندہ سن سن کر بور ہو جائے لیکن یہ بول بول کر نہ تو تھکتی ہے اور نہ ہی بور ہوتی ہے۔“ اظفر نے ان کی بحث میں مداخلت کی۔

”میرے نزدیک ان عورتوں کے مسائل کوئی کہانی یا قصہ نہیں ہیں جن سے میں بور ہو جاؤں۔ یہ زندگی کے تلخ مسائل ہیں جنہیں حل کرنا میں اپنا فرض سمجھتی ہوں اور آپ سب کو بھی ایک بڑھا لکھا اور باشعور شہری ہونے کے ناتے اس مقصد میں میرا ساتھ دینا چاہیے۔“ وہ اپنے موقف سے ایک انچ بھی پیچھے ہٹنے کو تیار نہیں تھی۔

”منی! پلیز زیادہ چیخ دس ٹایک۔“ ہادیہ نے بڑی لجاجت سے کہتے ہوئے اس کے آگے ہاتھ جوڑے تو وہ کندھے اچکا کر چپ ہو گئی۔

ایک تمنا جیون کی ہو

ایک تمنا جیون کی میں پیار تیرا ہی پاؤں
شادی تجھ ہی سے ہو میری چاہے شادی کے دن مر جاؤں

شادی تجھ ہی سے ہو میری۔

”اخاف دنیا کی مصروف ترین ہستی منی ہاشمی صاحبہ بھی یہاں جلوہ افروز ہیں پھر تو یقیناً معاملہ نہایت اہم نوعیت کا ہو گا جس کے لیے مجھ ناچیز کے ساتھ ساتھ اتنے بڑے بڑے لوگوں کو زحمت دی گئی ہے۔“ اس نے کمرے میں داخل ہوتے ہی ہادیہ کے ساتھ سر جوڑ کر بیٹھی منی کو آنکھیں پھاڑ کر دیکھتے ہوئے یوں

ظاہر کیا جیسے ابھی ابھی ہی نظر اس پر پڑی ہو۔ الٹ گانے کے بول اور آنکھوں میں چمکتی شرارت اس بات کا واضح ثبوت تھی کہ وہ اس کی یہاں موجودگی سے اچھی طرح واقف ہے۔ منی بھی اس کی مصنوعی حیرت اور زو معنی گیت کو اچھی طرح سمجھنے کے باوجود انجان بنی بیٹھی رہی جبکہ ہادیہ جو اپنے ہی مسئلے میں الجھی ہوئی تھی فوراً بولی۔

”معاملہ تو واقعی بہت اہم ہے جندب! تین دن بعد می بیبا کی شادی کی سلور جوبلی ہے اور میں چاہتی ہوں کہ اس موقع پر انہیں سربراہیوں لیکن کوئی آئیڈیا ہی نہیں آ رہا۔ منی کا خیال ہے کہ کسی ہوٹل میں میل ریزرو کروا کر اچانک انہیں وہاں لے جاؤں تو وہ حیران رہ جائیں گے میرے اس طرح کرنے سے۔ اب تم بتاؤ کہ یہ آئیڈیا کیسا رہے گا۔“

”بالکل بندل۔ چھوٹے چھوٹے لوگوں سے مشورہ کرو گی تو ایسے ہی چھوٹے چھوٹے آئیڈیے تمہارے سامنے آئیں گے۔ ایسے اہم معاملات پر رائے لینے کے لیے کسی بڑے سے رابطہ کرنا چاہیے۔“

”اور وہ بڑے تم ہو۔“ منی نے دانت پکچپائے۔
”آف کورس۔ اس وقت موجود تینوں افراد میں میں ہی بڑا ہوں۔“

”اگر تمہاری یادداشت ٹھیک طرح سے کام کر رہی ہو تو تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ میں تم سے پورے ایک دن بڑی ہوں۔“

”اور میں تم سے پورے ایک فٹ بڑا ہوں۔“ وہ فیملی کے تمام مردوں میں سب سے زیادہ لمبا تھا اور منی جیسی دھان پان لڑکی تو واقعی اس کے سامنے بالکل گزرا سی لگا کرتی تھی۔

”لوگ ٹھیک ہی کہتے ہیں کہ لمبے لوگوں کی عقل ٹخنوں میں ہوتی ہے۔ آج تم نے اپنے احمقانہ خیال کے ذریعے اس کی تصدیق بھی کر دی۔“ منی اس کی بات پر جل بھن کر بولی۔

”فار گاڈ سیک۔ جب ہو جاؤ یہ تم دونوں اس قدر لڑنے کیوں لگے ہو آج کل۔ جب دیکھو ایک دوسرے

”لیکن جندب! مجھ سے اکیلے اتنا سب کچھ کیسے ہو گا وہ بھی صرف چند گھنٹوں میں۔“ ہادیہ کی پریشانی اپنی جگہ تھی۔

”تو تم سے اکیلے اتنا سب کچھ کرنے کو کہہ کون رہا ہے۔ میں مر گیا ہوں کیا جو تمہاری پہلپہل کر سکوں اور یہ جو تمہاری دوست ہے قائد اعظم کی جانشین یہ آخر کس مرض کی دوا ہے۔ اگر اتنے اہم مواقعوں پر بھی یہ تمہارا ساتھ نہ دے تو لعنت بھیجو اس کی دوستی پر۔“ چپکے چپکے گھڑی کی طرف دیکھتی منی کی چوری چکڑے وہ خفگی سے بولا تو وہ اپنی جگہ جھینپ سی گئی۔ دوسری طرف منی کی حرکت سے بے خبر ہادیہ نے دوستوں کی طرف سے تعاون کی یقین دہانی پر اطمینان کا سانس لیا۔

”تم بہت فضول ہو منی! ساتھ دینے کا وعدہ کیا اور وقت آنے پر غائب ہو گئیں۔ اب بھی بھلا کیا ضرورت تھی آنے کی۔ سب کچھ تو یہاں ہو ہی چکا ہے۔“ چھوٹے ماموں کے جگمگاتے لان میں داخل ہوتے ہی اس کا سامنا ہادیہ سے ہو گیا تھا جو اس کے لیٹ آنے پر اسے آڑے ہاتھوں لے رہی تھی۔

”سوری یار! آئی ایم ویری ویری سوری۔ صبح گھر سے نکلتے وقت مجھے اچھی طرح یاد تھا کہ آج تمہاری طرف آنا ہے اور میں نے سوچا بھی یہی تھا کہ دوپہر ڈھائی تین بجے تک پہنچ جاؤں گی لیکن پھر ہدائی انکل نے اپنے آفس کال کر لیا اور وہاں اتنے اہم مسائل پر ڈسکشن ہو رہی تھی کہ مجھے کچھ یاد ہی نہیں رہا۔ شام چھ بجے جندب نے مجھے موبائل پر کال کر کے یاد دلایا بھی لیکن اس وقت تک میں ہدائی انکل کے ساتھ ایک کلاسٹ سے ملنے جانے کے لیے نکل چکی تھی اور ان کے مزاج کے بارے میں تو تم جانتی ہو۔ اگر راستے میں سے واپس آنے کی بات کرتی تو وہ بابا سے دوستی کا لحاظ کے بغیر اگلے ہی دن مجھے اپنے آفس سے چلا کرتے لیکن پھر بھی میں تم سے شرمندہ ہوں۔ دیکھو ابھی

کی بات کانٹے کے چکر میں پڑے رہتے ہو۔“ ہادیہ نے ہاتھ اٹھا کر ان دونوں کو باز رکھنے کی کوشش کی۔ ”مجھے کچھ نہیں ہوا ہے۔ اسی پر آج کل احمقانہ اور جاہلانہ گفتگو کرنے کے دورے پڑنے لگے ہیں۔ میں تو خود سمجھنے سے قاصر ہوں کہ اس کو کس طرح مددگاروں۔“ منی نے اپنی صفائی پیش کی۔

لیکن کو تسلیم تری ساری ذہانت لیکن سے جاہل کو تو کبھی بھی نہ سمجھ پائے گی اس نے نہایت دھیمے سروں میں شعر پڑھا تھا۔

”اب کیوں گھور کر دیکھ رہی ہو۔ اب تو میں گھور رہے نکھوں“ کی زبان میں بات کر رہا ہوں۔“ وہ اس کے گھورنے کو خاطر میں نہ لا کر شرارت سے بولا تھا۔

”جندب! پلیز وقت کم ہے جلدی سے کوئی حل نکالو میرے مسئلے کا ورنہ پھر مجھے منی کی بات پر ہی عمل کرنے پڑے گا۔“ ان دونوں کو مزید لڑنے کا موقع دینے کے لیے ہادیہ نے اپنے مسئلے کی طرف توجہ دلائی۔

”منی کا مشورہ تو خیر نہایت ہی فضول ہے اور میں اس پر عمل نہیں کرنے دوں گا۔ بھلا یہ بھی کوئی بات ہوئی کہ مذہب اتنی اہم اور گھریلو سی تقریب ہو مل کے سرد ماحول میں جا کر سیلبرٹ کر لے تمہیں تو چاہیے کہ اس موقع پر گھر پر ہی کوئی زبردست سی پارٹی اریج کرو جس میں تمام قریبی لوگوں کو بھی شامل کیا جائے۔“ آخر کار ہنجندہ ہو گیا تھا۔

”لیکن اس نے سربراہان کے لیے کی بات کی ہے جب یہ گھر پر سارا ارجنڈٹ کرے گی تو ماموں ممانی سے یہ سب کیسے چھپا رہے گا۔“ منی نے تنقید کی۔

”اس کا تو کوئی مسئلہ ہی نہیں۔ چچا جی کو میں ڈیڈی کے ساتھ آفس میں بڑی کر دوں گا۔ جب کہ چچی کو امی کے ساتھ شاپنگ کے لیے بھیج دیں گے۔ تمہیں بتا ہی ہے کہ جب یہ دونوں خواتین شاپنگ کے ارادے سے نکلیں تو کتنی مشکل سے واپس گھر آتی ہیں۔“ اس نے ہنسی بھرتے حل پیش کیا۔

ابھی گھر پہنچی ہوں اور فوراً تمہاری طرف دوڑ لگائی ہے۔ اگر تم خفا رہیں تو پھر اس بھاگ دوڑ کا کوئی فائدہ نہ رہے گا۔" اسے اپنی غلطی کا پورا احساس تھا سو اب لمبی چوڑی وضاحت دے کر ہادیہ کو منانے کی بھرپور کوشش کر رہی تھی۔

"تم سے خفا ہو کر بندہ کرے بھی تو کیا کرے۔ تم نے کون سا سدھر جانا ہے۔" بالا آخر ہادیہ نے اس کے سامنے ہتھیار ڈال دیے۔

"تمہیں جس ہادیہ! اچھا یہ بتاؤ تمہیں زیادہ پریشانی تو نہیں ہوئی۔ ویسے آرٹ تھنٹ تو سارا بہت زبردست ہوا ہے۔" ہادیہ کے ساتھ ساتھ چلتی اب وہ لان کا جائزہ لے رہی تھی جس کی صورت ہی بدل کر رہ گئی تھی۔

"پریشانی تو خیر کوئی خاص نہیں ہوئی، جندب نے سارا انتظام سنبھال لیا تھا۔ ہر کام اس نے اپنی نگرانی میں کروایا ہے۔ پھر علیحدہ بھا بھی چاہیے اور مہرین وغیرہ بھی آگئے تھے اس لیے اور بھی آسانی ہوئی۔"

"بڑے افسوس کی بات ہے ہادیہ! سارا دن تمہاری خاطر خوار ہم لوگ ہوئے ہیں اور تازہ برداریاں تم اپنی اس بے وفادوست کی کر رہی ہو۔ اصولاً تو اس کی آج کی حرکت کے بعد تمہیں اس سے کلام بھی نہیں کرنا چاہیے تھا اور تم اسے بھرپور طعام کروا رہی ہو۔"

جندب جو اچانک ہی سامنے چلا آیا تھا ہادیہ کی طرف دیکھتے ہوئے افسوس سے بولا۔

"مسٹر جندب! آپ چاہے کتنی بھی کوشش کر لیں۔ میری دوست کو میرے خلاف ہرگز بھی نہیں بھڑکا سکتے۔ لہذا آپ مجھ سے دشمنی نبھانے کی کوششیں ترک کر دیں۔"

"تم دوستی کی پامی تو بھرو، ہم دشمنی تو کیا تمہاری خاطر دنیا ترک کر دیں گے۔ اس کے کان میں سرگوشی کرتے ہوئے وہ معنی خیز انداز میں بولا۔

"تمہارے حق میں سب سے بہتر یہ ہے کہ تم اپنی فضول گوئی کی غاوت ترک کر دو۔" غصے سے اسے جواب دیتی وہ ہادیہ کی سمت چل دی۔ وہ جندب اور اس

کی لڑائی کے دوران دوسرے مہمانوں کے درمیان جا چکی تھی۔

"ویل صاحب! آپ چاہے ہر کیس جیت جائیں لیکن اپنی محبت کے مقدمے میں تو میں آپ کو ہرا کر رہی رہوں گا۔" اس کی پشت پر جھولتی چوٹی کی طرف دیکھتا وہ زیر لب برہنہ ہوا۔

انسان منصوبے بہت سارے بناتا ہے، لیکن وقت ہمیشہ واقعات کو انسان کی سوچی گئی ترتیب کے مطابق ترتیب نہیں دیتا۔ ترتیب وقت میں بہت سے لمحے ان چاہے اور ان سوچے بھی ہوتے ہیں۔ ایسے ہی لمحوں نے جندب شاہ کی زندگی کا گھیراؤ بھی کیا تھا۔ نئے مسکراتے پر سکون دن گزارتے جندب شاہ کے لیے پہلا شدید دھچکا ممی کو ہونے والا ہارٹ اٹیک تھا۔ کئی دن ہاسپٹل کی تیخ فضاؤں میں امید و بیم کے درمیان جھولتے بالا آخر جب وہ ممی کو زندہ سلامت گھر لائے میں کامیاب ہوئے تو ایک اور پریشانی نے اسے گھیر لیا۔ ممی ہارٹ اٹیک کے بعد اپنی زندگی کی طرف سے شدید مایوسی کا شکار ہو گئی تھیں۔ اور اب جلد از جلد اپنے بچوں کی خوشیاں دیکھنے کے لیے بے چین تھیں۔ ثانیہ کے لیے تو انہوں نے فوراً ہی اپنی بڑی بہن کو جو کہ کافی عرصے سے اپنے بیٹے کے لیے اسے مانگ رہی تھیں، رضامندی کا سندیس بھیج ڈالا، جب کہ دوسری طرف وہ جندب کے سر ہو گئیں کہ تم بھی اب شادی کر لو۔ جندب جسے فی الحال اپنی کشتی پار لگتی دکھائی نہ دے رہی تھی ان کے اس مطالبے پر گھبرا اٹھا۔ کئی بار ٹال مٹول سے کام لینا چاہا، لیکن پھر بالآخر ایک دن جب وہ یہ کہہ کر رونے لگیں کہ۔

"بیٹا! تم کیا چاہتے ہو، تمہاری ماں اپنے اکلوتے بیٹے کا سرا دیکھے بغیر ہی اس دنیا سے رخصت ہو جائے۔" تو اس کا دل پیچ گیا۔ اور وہ صرف دلدل کی مہلت سوچنے کے لیے لے کر انہیں منٹے میں کامیاب ہو سکا۔ یہ وہ دن بھی دراصل اس نے کچھ

میں پیدا کر لوں۔" وہ ہر طرح سے اسے قائل کرنا چاہتا تھا۔

"میرا نہیں خیال جندب کہ ہم کبھی ساتھ چل سکیں گے۔ ابھی کا تو ویسے بھی کسی طرح سوال پیدا نہیں ہوتا لیکن شاید چند سالوں بعد بھی میرا انتخاب تم نہ ہو۔ تم بہت سو فٹ نیچر رکھنے والے انسان ہو جب کہ مجھے زندگی کے سفر میں کسی بہت ہی اسٹرائنگ شخص کی ضرورت ہے۔" ایک گہرا سانس خارج کرتے بالآخر اس نے اپنا حتمی فیصلہ سنا ڈالا۔ اس بات سے بے خبر کہ اس کے اس انکار نے جندب شاہ کے دل کے ایوانوں میں کیسی تباہی و بربادی مچادی ہے۔

"سوری جندب! لیکن ایک ایسا ساتھ جوڑنے سے جس کے ٹوٹ جانے کا اندیشہ ہو یہ کہیں بہتر ہے کہ وہ جو ہمارے درمیان ایک پرانا اور بہت پیارا سا دوستی کا رشتہ تھا، اسے قائم رہنے دیا جائے۔" وہ اس کے سامنے ہاتھ پھیلائے کھڑی تھی۔ اپنی آنکھوں میں چھاتی دھند کو پرے دھکیلتے جندب شاہ نے اس کی طرف کچھ بل غور سے دیکھا اور پھر اس کے بڑھتے ہوئے ہاتھ کو تھام کر اس کے فیصلے پر تصدیق کی مہر ثبت کر دی۔ وہ اس کے سامنے اپنا حال دل اور حالات دونوں ہی بہت اچھی طرح بیان کر چکا تھا۔ لیکن وہ راضی نہیں تھی تو اس نے اس کے انکار کو بھی قبول کر لیا تھا۔ اگر جو اس کے مان جانے کا ذرا بھی امکان ہوتا اور اس کے حالات اسے اجازت دیتے تو وہ اب بھی اپنی انا کو پس پشت ڈال کر اسے منانے کی سعی کر سکتا تھا۔ لیکن اب ایسا ممکن نہیں تھا تو دوستی کا رشتہ بھی بہت تھا۔ منی ہاشمی کی تعلق کی کتاب میں جندب شاہ کا نام کم از کم ایک دوست کی حیثیت سے سہی درج تو ہوتا۔

"تو پھر تم نے کیا سوچا بیٹا!" وہ ممی کے شانے سے سر اٹکائے آنکھیں موندے بیٹھا تھا۔ ان کے اچانک پوچھنے پر چونک سا گیا۔

بچے کے لیے نہیں بلکہ منی سے کسی بات کر کے کر لے لے تھے۔

"مجھے نہیں لگتا تھا جندب! کہ مجھے کبھی واضح طور پر اس سلسلے میں تمہیں جواب دینا پڑے گا۔ میرا جواب تو میرے ہر انداز سے تم پر واضح ہے۔" منی کے نہایت صاف گوئی سے جواب دینے پر اس کے چہرے پر تاریک ماسا پہ لہرا کر رہ گیا۔

"کیا میں تم سے تمہارے اس ظالمانہ فیصلے کی وجہ پوچھ سکتا ہوں منی!"

"جس میں نے کبھی تمہارے لیے اس طرح سے سوچا ہی نہیں۔" اس نے بے نیازی سے شانے اٹکائے۔

"تو اب سوچ لو شاید تمہارا دل میرے لیے ہاں کہہ دے۔" اس کے لہجے میں برہی آس تھی۔

"تمہیں پتا ہے جندب! میں کبھی بھی کوئی فیصلہ دل سے نہیں کرتی۔ میرا ہر عمل میرے ذہن کا تابع ہوتا ہے شادی کے معاملے میں فی الحال تو میں نے کچھ سوچا ہی نہیں ہے۔ ابھی تو میں مکمل یکسوئی سے اپنی تعلیم اور کیریئر پر توجہ دینا چاہتی ہوں شادی کا ارادہ ہوا بھی تو کم از کم پانچ چھ سال بعد ہی ہو گا اور جیسے تمہارے حالات ہیں، تم اتنا لمبا عرصہ انتظار نہیں کر سکتے۔"

"آئی پراس! مجھ سے شادی کر کے تمہاری فیوج پلاننگز پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ میں تمہیں قطعی شرب نہیں کروں گا۔ بلکہ اب بھی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ میں تو خود اس انتظار میں تھا کہ تم اپنی ساری خواہشات پوری کر لو تو تم سے اپنی خواہش کا اظہار کروں۔ لیکن اب مسئلہ ممی کا ہے، میں صرف ان کی خاطر ان کی خوشی کے لیے تم سے کہہ رہا ہوں۔ انہیں نہ چاہئے کہ وہ ہم سا ہو گیا ہے کہ اب وہ زیادہ عرصے زندہ نہیں رہ سکیں گی اور میں نہیں چاہتا کہ خدا نخواستہ ان کا ہم حقیقت میں ڈھلے اور میں ان کی خواہش کو پورا نہ کرنے کی خلیش ساری زندگی کے لیے اپنے دل

”کس بارے میں ممی؟“ سوال کرنے کا انداز اس کی عتاب دہانی کا ثبوت تھا۔
 ”اچھا؟ اب یہ بھی میں تمہیں یاد دلاؤں کہ کس بارے میں۔ تمہیں خود کچھ یاد نہیں ہے کہ تم نے کس بارے میں سوچنے کے لیے دو دن کا وقت لیا تھا اور اب ایک ہفتہ گزر جانے کے باوجود بھی منہ سے بھاپ نہیں نکال رہے۔“ ممی کے لہجے میں سخت خفگی تھی۔
 ”خفانہ ہوں ممی! میں آپ کی خواہش پوری کرنے کے لیے تیار ہوں۔“ اس نے لاڈ سے ان کی گردن میں بازو جمائے رکھا۔

”رہی بیٹا! پھر ایسا کرو کہ اپنی رضامندی کے ساتھ ساتھ اپنی پسند کے بارے میں مجھے بتا دو تاکہ ہم جلد از جلد اسے اپنی بہو بنا کر اس گھر میں لے آئیں۔“ ممی بے انتہا خوش تھیں۔

”پسند۔! پسند تو کوئی نہیں ہے میری ممی! آپ جسے چاہیں ہو بنالیں۔“ درو کی ایک لہرل میں اٹھی تھی۔

”کوئی پسند نہیں۔ اس پر بھی تم نے سوچنے کے لیے اتنا وقت لیا میں تو سمجھی تھی کہ کوئی مسئلہ ہے جو اتنی ٹال مٹول کر رہے ہو۔“ ممی کے لہجے میں حیرت تھی۔

”ہائیم تو اس لیے لیا تھا کہ شاید کوئی پسند آجائے لیکن آپ کے بیٹے کو کوئی چیز پسند آنا اتنا آسان ٹھوڑا ہی ہے۔“ وہ زبردستی اپنے لہجے میں بشاشت پیدا کرتے ہوئے بولا۔

”ارے بھئی یہ ماں بیٹے میں کیا راز و نیاز چل رہے ہیں۔ کچھ ہمیں بھی تو پتا چلے۔“ کمرے میں داخل ہوتے فیب شاہ نے دونوں کو تنہا سر جوڑے باتیں کرتے دیکھ کر پوچھا۔

”راز کی کوئی بات نہیں۔ چاہیں تو آپ بھی ہماری اس مینگ میں شامل ہو سکتے ہیں۔ بلکہ آپ کو لازماً شامل ہونا چاہیے۔ آخر کو آپ کی اکلوتی بہو کے سلیکشن کا مسئلہ ہے۔“ ممی نے خوشگوار انداز میں جواب دیا۔

”تھوڑے تو یہ مسئلہ ہے۔ پھر کئے معاملہ کہیں تک پہنچا۔“ فیب شاہ قریبی کرسی پر بیٹھتے ہوئے پوچھنے لگے۔

”رضامندی دی ہے آپ کے بیٹے نے لیکن لڑکی کے سلیکشن کا معاملہ ہم لوگوں پر چھوڑ دیا ہے۔ اب آپ بتائیے کہ آپ کی کیا رائے ہے اس سلسلے میں۔“
 ”بھئی“ میرے خیال میں تو اتنی زیادہ سوچ بچار کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ لڑکیاں گھر میں ہی موجود ہیں۔ چاہے منی کے لیے بات کریں، چاہے ہادیہ کے لیے۔ دونوں ہی ایک جیسی پیاری ہیں۔“ فیب شاہ کی رائے نے جنڈب کو پہلو بدلتے پر مجبور کیا۔

”کہہ تو آپ بالکل ٹھیک رہے ہیں لیکن دونوں میں سے کس کو سلیکٹ کریں یہ بھی تو مسئلہ ہے۔“ وہ گہری فکر میں ڈوب چکی تھیں۔

”منی تو ابھی اپنی اسٹڈیز میں مصروف ہے اور درمیان میں اپنا تعلیمی سلسلہ توڑ کر شادی کے جھنجھٹ میں پڑنا اس کے لیے مشکل ہوگا البتہ ہادیہ فارغ ہے۔ پھر اسے گھرواری کا شوق بھی ہے اس لیے میرے خیال میں وہ مناسب رہے گی۔ آخر مانیہ کی شادی کے بعد اس گھر کو سنہالنے والا بھی تو کوئی ہونا چاہیے۔“ دونوں لڑکیوں کا تجزیہ کرتے فیب شاہ نے اپنی ممتی رائے دے ڈالی۔

”پلیز ڈیڈی! منی اور ہادیہ سے ہٹ کر کوئی لڑکی سوچیں۔ میرے خیال میں یہ کچھ مناسب نہیں رہے گا۔“ بڑی دیر سے برداشت کرتے جنڈب شاہ کا ضبط بالآخر ٹوٹ گیا۔

”کیوں بر خوردار! ہمارے فیصلے میں آپ کو کیا بات نامناسب محسوس ہو رہی ہے؟“ فیب شاہ نے اسے گھورا۔

”سمجھا کریں ڈیڈی! منی آپ کی بہن کی بیٹی ہے تو ہادیہ بھائی کی دونوں میں سے ایک کو سلیکٹ کرنے کا مطلب دوسری کو ریجیکٹ کرنا ہے۔ پھر جس کی بھی بیٹی ریجیکٹ ہوئی وہ اپنے دل میں ملال تو محسوس کرے گا ناں اس لیے بہتر ہے کہ آپ خاندان سے

واقف علیہ بھابی کے لیے مسکراہٹ ضبط کرنا مشکل ہو گیا لیکن فی الحال ساس کی دلچسپی زیادہ ضروری تھی۔

”جائے دیں امی! جس کا جہاں نصیب ہوتا ہے وہیں رشتے ٹاتے جڑتے ہیں۔ بتایا تو تھا بڑی ممانی نے کہ جندب نے خود خاندان میں رشتہ جوڑنے سے انکار کیا تھا اس لیے انہوں نے مہرین کا انتخاب کیا۔ ویسے بھی مہرین اچھی لڑکی ہے پھر بڑے ماموں کے عزیز دوست کی بیٹی ہے۔ اس لیے میرے خیال میں تو بہت مناسب رہے گی جندب کے لیے۔“

”میرے کہنے کا مطلب یہ تھوڑا ہی تھا کہ خدا نخواستہ مہرین اچھی لڑکی نہیں بے شک بڑی اچھی لڑکی ہے وہ لیکن پھر بھی دل میں خیال آتا ہے کہ لڑکیاں اپنوں میں بیاہی جائیں تو اچھا ہے۔ اب اگر وہ لوگ ہادیہ کو مانگتے جندب کے لیے تو مجھے زیادہ خوشی ہوتی۔“ عائشہ بیگم نے وضاحت دی۔

”تو امی! ایسا کرتے ہیں ناں کہ ہادیہ کو ہم اپنے گھر لے آتے ہیں۔ اظفر کی دہن بنا کر گھر کی لڑکی گھر میں ہی آجائے گی اور اظفر میاں بھی خوش ہو جائیں گے۔“ اظفر کی بے تالی ملاحظہ کرتی علیہ بھابی نے ساس کو مشورہ دینے کے ساتھ ساتھ اس سے بھی چھیڑ چھاڑ کی۔

”مشورہ تو واقعی تمہارا بہت مناسب ہے میں کل ہی بات کروں گی۔ حبیب سے ہادیہ کے لیے۔ بلکہ میرا خیال ہے جندب اور مہرین کے ساتھ اظفر اور ہادیہ کی رسم بھی مشترکہ طور پر ہی کر لیں گے۔ البتہ ہم شادی ذرا وقفہ سے کریں گے۔ تمہاری ممانی تو جلدی میں ہیں۔ تین چار ماہ سے زیادہ کا ٹائم نہیں لگائیں گی۔ لیکن میری کوشش ہوگی کہ اظفر کے ساتھ ساتھ ہی ممانی کو بھی نمنا دوں۔ بس ذرا اس لڑکی کے ہوش ٹھکانے لگانے پڑیں گے۔ کم بخت سلج کی ٹھیکے دار بننے پر تکی بیٹھی ہے۔ سارے جہاں کی فکر ہے اسے سوائے اپنی ذات کے۔ لیکن میں ماں ہوں باپ بھائیوں کی طرح اسے کھلی چھٹی نہیں دے سکتی۔ دنیا

باہر نہیں چھوڑی۔“
”کہ تو واقعی تم ٹھیک رہے ہو۔ دونوں بہن بھائیوں میں سے کسی کو بھی ناراض کرنا مناسب نہیں ہوگا۔“ اس کی بات نے حبیب شاہ کو قائل کر دیا تھا۔
”خاندان سے باہر کرنے کی بات ہے تو پھر صبر بھائی کی بیٹی مہرین مناسب رہے گی۔“

بے شک ابھی ماسٹرز کر رہی ہے۔ لیکن اس کا بھیکٹ ایسا نہیں کہ شادی کے بعد مہینج (Manage) نہ کر سکے۔ پھر وہ ہے بھی بہت سنجیدہ مزاج اور رکھ رکھاؤ والی لڑکی۔ بڑی بہو کے روپ میں خوب بنے گی۔“ ممانی کی رائے ڈیڈی کے دل کو بھی لگی تھی جب کہ جندب کے لیے تو کوئی فرق نہیں پڑتا تھا کہ ممانی کے علاوہ جو بھی لڑکی اس کی زندگی میں شامل ہو جاتی ایک ہی بات تھی۔ ہادیہ کے لیے اس نے خصوصاً اس لیے منع کیا تھا کہ وہ نہیں چاہتا تھا کہ ان کی دوستی کی ٹکون کو یہ رشتہ متاثر کرے۔ ہادیہ کے جندب کی بیوی بننے کی صورت میں ممانی کے انداز میں ممانی طور پر ایک جھجک پیدا ہو جاتی تھی۔

”ساتم نے علیہ! یہ تمہاری بڑی ممانی کیا خبر دے گئی ہیں۔ جندب کا رشتہ طے کرنے جا رہی ہیں وہ بھی ممانی کی بیٹی مہرین سے۔ گھر میں دو دو بچیاں تھیں انہیں دونوں میں سے ایک بھی دکھائی نہیں دی۔ چلو میری ممانی تو ذرا لاہور اور گھرداری سے نا آشنا ہے لیکن بھلا ہادیہ میں کیا کمی تھی جو اسے چھوڑ کر وہ لوگ مہرین کو بہو بنانے کا فیصلہ کر بیٹھے۔ ممانی نہ سہی ہادیہ سے تو جندب کا رشتہ کیا جاسکتا تھا۔“

خدیجہ بیگم بہو کے سامنے بھانج کی نا انصافی کا شکوہ کر رہی تھیں۔ لیکن کان علیہ بھابی کے ایک سالہ بیٹے کے ساتھ کھیلتے اظفر کے کھڑے ہو گئے۔

”بھلا کیوں کر دیتیں وہ جندب سے ہادیہ کا رشتہ؟ ہم کام کے لیے ہم مر گئے ہیں کیا۔“ ذریعہ خیالات کا اظہار بھی کیا کیا۔ اس کی ہادیہ کے لیے پسندیدگی سے

تو مجھ پر ہی الزام دھرے گی کہ ایک بیٹی اور عائشہ بیگم اس کی بھی تربیت نہ کر سکیں۔“ وہ موضوع سے ہٹ کر منی پر تبصرہ شروع کر چکی تھیں۔ اور اس موضوع پر وہ کتنی فصاحت اور بلاغت کے ساتھ بول سکتی تھیں یہ بات سارا گھر ہی جانتا تھا، چنانچہ بھتیجے کو گود میں اٹھا کر وہاں سے کھٹکتے میں ہی اظفر نے عافیت جانی، البتہ وہ جاتے جاتے علیحدہ کو ”بھابھی دی گریٹ“ کا اشارہ دے کر گیا تھا۔ آخر بنا زبان ہلائے اس کے لیے ہادیہ کا مقدمہ تو امی کے سامنے انہوں نے ہی لڑا تھا۔

* * *

دو دل مل رہے ہیں
مگر چپکے چپکے
سب کو ہو رہی ہے
خبر چپکے چپکے

گیت کے بول فضا میں خوشگوار سی ہلچل مچا رہے تھے۔ کسی نے موقع کی مناسبت سے بہت خوب گانا منتخب کر کے لگایا تھا۔ اظفر کے پہلو میں بیٹھی ہادیہ کے چہرے پر گانے کا ہر بول آنچ دیتا محسوس ہو رہا تھا، ابھی ابھی اظفر نے اس کی انگلی میں اپنے نام کی انگلی ٹھسی پہنائی تھی اور اب دھڑا دھڑا فونو کھینچنے کا سلسلہ جاری تھا۔

”منی بیٹا! اب ہادیہ کو اسٹیج سے نیچے لے آؤ تاکہ مہرین اور جنید کی رسم بھی آج کی تاریخ میں انجام پا جائے۔ بے چارے مہمان خواہ مخواہ انتظار میں سوکھ رہے ہیں۔“ وقت کے از حد پابند ہاشمی صاحب نے آخر کار ٹوک ہی دیا۔

”یار ہاشمی! تمہیں دیکھ کر تو مجھے حیرت ہوتی ہے۔ تم کہاں خواہ مخواہ بزنس میں بن بیٹھے۔ دراصل تو تمہیں فوج میں ہونا چاہیے تھا۔ جب دیکھو تب گھڑی کی سوئیوں کے ساتھ بھاگتے نظر آتے ہو۔“ ان کے ساتھ بیٹھے صاحب نے بے تکلفی سے ان پر چوٹ کی۔

”کامیاب بزنس میں بننے کے لیے بھی وقت کا ٹھیک ٹھاک حساب رکھنا بہت ضروری ہوتا ہے دوست! بلکہ بزنس تو ہے ہی سارا ٹائمنگ کا کھیل اور ابھی آپ نے فیصلہ کرنے میں دیر کی اور گیم آپ کے ہاتھ سے نکل گیا۔ البتہ یہ تم پولیس والے ہوتے ہو جنہیں ہمیشہ وقت گزرنے کے بعد ہی ایکشن میں آنے کا خیال آتا ہے۔“ صاحب بر جوالی حملہ کرتے، ہاشمی صاحب اسٹیج کی طرف دیکھتے اطمینان سے بولے۔ جہاں ان کی ہدایت پر عمل درآمد ہو رہا تھا اور ہادیہ کو سہارا دیے منی اسے اسٹیج سے نیچے لاری بھی۔

”آج شاید زندگی میں پہلی بار منی! تم بالکل صحیح وقت پر محفل میں موجود ہو ورنہ مجھے تو خدشہ تھا کہ آج کے دن بھی تمہارے ہمدانی صاحب تمہیں کہیں بڑی نہ کر دیں۔“ منی کے ساتھ ایک ٹیبل کی طرف بڑھتی ہادیہ نے آہستہ سے اس سے کہا۔

”بھئی۔ آج میرے دو اتنے پیارے پیارے دوستوں اور ایک عدد بھائی کی زندگیوں کے اتنے اہم لمحات تھے۔ بھلا آج کے فنکشن کا کوئی لمحہ میں کس طرح رس کر سکتی تھی۔“ منی نے مسکراتے ہوئے اسے ایک چیئر پر بٹھایا اور پھر ذرا جھک کر سرگوشی کے سے انداز میں بولی۔

”ویسے ایک راز کی بات بتاؤں“ آج ہمدانی انگل کو بھی یہاں آنا تھا اس لیے وہ مجھے روکنے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ ورنہ شاید آج بھی۔“

”اگر آج بھی ایسا ہوتا تو تم اپنے دو عدد دوستوں اور ایک عدد بھائی کے ہاتھوں یقیناً قتل کر دی جاتیں اور تمہارے ہمدانی انگل بیٹھے تمہارے قتل کا مقدمہ لڑتے رہتے، اس لیے اچھا ہوا کہ یہ شاید سے آگے کا واقعہ وقوع پذیر نہیں ہوا۔“ ہادیہ نے اس کے بازو میں اپنے لیے ناخن چبھو کر اس کے نامکمل جیلے کا مڑا چکھایا۔

”اف جنکلی لڑکی! میرے بھائی سے متلنی ہوتے ہی دوستی بھول کر ظالم بھابھیوں والا سلوک کرنے

لگیں۔
”اچھا تو بھابھیاں ظالم ہوتی ہیں۔ بتاؤں ابھی علیہما
بھابھیاں کو کہ ان کی زندان پر کیا الزامات لگا رہی ہے۔“

ہادیہ نے دھمکی دی۔
”لی فسادن! خاموشی سے یہاں بیٹھی رہو۔ زیادہ پڑ
پڑ لو گئے کی ضرورت نہیں ورنہ لوگ سمجھیں گے کہ
دلہن کو کچھ زیادہ ہی خوشی ہے۔“ منگنی کی۔ ”اس نے
ہادیہ کو ٹوکا۔

”لو کے۔ تم یہاں بیٹھو میں ذرا دوسرے دوست
سے دوستی نبھاؤں۔“ عنبرین اور ثانیہ کے ساتھ اسٹیج
کی طرف بڑھتے جندب اور مہرین کو دیکھ کر وہ تیزی سے
اس کی طرف لپکی۔

”کو بیٹا! بسم اللہ کرو، دلہن کی انگلی میں انگوٹھی
پہناؤ۔“ سرخ محملی ڈیپ جندب کے ہاتھ میں پکڑاتے
ممائی جان نے اس سے کہا۔

ڈیپ کھول کر اس میں سے ڈائمنڈ کی جگر جگر کرتی
انگوٹھی نکالتے جندب شاہ نے مل بھر کے لیے اپنے
سامنے کھڑی منی کی طرف دیکھا تھا۔ منی خود بھی اس
کی طرف متوجہ تھی اس لیے نظروں کا تصادم ہوا۔
اف! کیا نہیں تھا جندب شاہ کی اس ایک نگاہ میں۔
شکوہ، تڑپ، ہجر کا دکھ، سامنے کھڑی محبت کو کھودینے کا
غم۔

منی ہاشمی کو پہلی بار اپنی فسیل دل لرزتی ہوئی
محسوس ہوئی۔ کون سا حادثہ کس گھڑی اور کہاں پیش
آیا تھا۔ سرخ محملی ڈیپ سے انگوٹھی نہیں، منی ہاشمی
کے جسم سے روح نکالی تھی جندب شاہ نے۔ وہ بے
یقینی کے عالم میں ساکت کھڑی ایک ٹک سامنے کا منظر
دیکھ رہی تھی۔ جندب نے انگوٹھی پہنانے کے لیے اپنا
ہاتھ مہرین کی طرف بڑھایا تھا لیکن اس نے بے اختیار
ہی منگی بند کر لی تھی۔ جندب کی ناکامی اور مہرین کی بے
ساختہ حرکت پر ارد گرد کھڑے لوگوں نے بلند ہنستے
لگاتے ہوئے جندب پر معنی خیز فقرے چست کیے
تھے۔

جندب نے بھی یقیناً ”مہرین کی اس حرکت کو

انجوائے کیا تھا۔ اس لیے اس کے ہونٹوں پر بھی ہنسی
دلفریب سی مسکراہٹ پھیلی تھی۔ منی کے دل میں
”چھن“ سے کچھ ٹوٹا۔ یہ اس کے دیوانے کی پہلی
مسکراہٹ تھی۔ جو اس کے بجائے کسی اور کے چہرے
کی طرف دیکھتے ہوئے اس کے لبوں پر آئی تھی۔
وہ غیر محسوس طور پر لوگوں کے ہجوم سے نکل کر
ایک تاریک گوشے کی طرف جا نکلی۔

”جندب کو کسی اور کا ہوتے دیکھنا بہت مشکل
ہے۔“ یہ انکشاف بہت اچانک ہوا تھا اس پر۔
”مجھے مجھ سے اپنا آپ تسلیم کروانے کو یہی موقع ملا
تھا۔“ اس نے دل میں پھیلنے سناٹوں سے گھبرا کر چپکے
سے محبت کی دیوی سے شکوہ کیا۔

کچھ کھودینے کا احساس اتنا قوی تھا کہ اپنی تمام تر
میچورٹی کے باوجود اس بل اسے خود پر قابو پانا مشکل
ہو رہا تھا۔ اپنی تمام تر ہمتیں مجتمع کرتی وہ ایک چیز پر
ٹک گئی۔

دیکھا آپ کو بھی رنگ و نور کا یہ سیلاب تنگ کر رہا تھا
جو آپ اس گوشے عافیت میں چلی آئیں۔“
اپنے بالکل قریب سے سنائی دیتی دھیمی مگر واضح
آواز نے اسے چونکا ڈالا۔ وہ جو کوئی بھی تھا اس کے
بالکل سامنے براجمان تھا۔ منی کو اپنی غائب دماغی کا
شدت سے احساس ہوا۔ تاریکی اتنی شدید تو نہ تھی کہ
وہ یہاں بیٹھے اچھے خاصے بندے کو دیکھ نہ پاتی۔ اس پر
اس کا سوال۔

”زیادہ شور شرابا مجھے اچھا نہیں لگتا۔ اس طرف
تنہائی دیکھی تو تھوڑی دیر سکون سے بیٹھنے کے خیال
سے چلی آئی۔“ یوں اپنے کسی عمل کی وضاحت دینا وہ
بھی کسی اجنبی کو اس کی عادت تو نہ تھی لیکن دل کے
چور نے مجبور کر ڈالا۔

”مجھے لگا کہ شاید آپ کو یہ محفل اچھی نہیں
لگی۔“ اس کا لہجہ بڑا عجیب تھا۔ منی کو غصہ آنے لگا۔
”یہ محفل مجھے اچھی نہ لگے اس کا تو سوال ہی پیدا
نہیں ہوتا۔ یہ میرے دو عدد دوستوں اور سب سے بڑے
کر سکے بھائی کی منگنی کا فنکشن ہے۔“ باوجود ضبط کے

چلیں شکر دونوں گشتہ ایک ہی جگہ مل گئے۔ اب ایک سیکنڈ کی بھی تاخیر کیے بغیر فوراً "آپ دونوں اسٹیج کی طرف چلیں ورنہ مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔" ثانیہ کے اصرار پر دونوں کو اپنی جگہ چھوڑتے ہی بنی۔

محبت ساون کے بادلوں کا روپ ہوتی ہے۔

برستی ہے نکھرتی ہے

پون کی طرح چلتی ہے

محبت پچھیوں، موسموں اور بارشوں کا بیج

محبت پرست ہوتی ہے، محبت جیت ہوتی ہے

اپنا اپنا تجربہ ہے، ورنہ اگر کوئی منی ہاشمی سے پوچھتا تو وہ کہتی۔

محبت بڑی اتار پرست شے کا نام ہے، جسے "ہار" کا لفظ قطعاً "گوارا" نہیں۔ یہ جب تک خود سے لڑنے والوں کو اپنا مفتوح نہ بنالے اسے چین نہیں آتا۔ جیسے اس نے مجھے یعنی منی ہاشمی کو اپنے آگے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کیا ہے۔ کتنی اکھڑ اور خود سر لڑکی ہوا کرتی تھی میں۔ محبت میرے در پر دستک دے دے کر تھک جاتی لیکن میں اپنے کان لپیٹے اطمینان سے بیٹھی رہتی۔ اسے بار بار مایوس لوٹاتے ایک بار بھی مجھے خیال نہ آیا کہ کہیں جو یہ مجھ سے روٹھ گئی تو کیا ہوگا۔

اور بے بسی کا یہ عالم ہے کہ میں اپنے درد پر کوئی احتجاج نہیں کر سکتی۔ کسی کے سامنے کوئی فریاد نہیں کر سکتی، اور حد تو یہ ہے کہ اس درد کا کوئی علاج بھی نہیں کر سکتی۔"

راتوں کو دیر تک جاگنا اس کا معمول تھا، لیکن صرف اسٹڈی کے لیے وہ کبھی کسی کے بجر میں رات جگے منائے گی، ایسا تو کبھی اس کے وہم و گمان میں ہی نہیں تھا۔ وہ لوگ تقریباً "ڈیڑھ بجے واپس گھر پہنچے تھے۔ تھکن اتنی شدید تھی۔ خیال تھا کہ بستر پر گرے ہی بے سدھ ہو جائے گی۔ لیکن اب جلتی آنکھوں میں نیند کا کوئی شائبہ تک نہیں تھا۔ بستر پر جت لیٹی وہ اپنے آج کے احساسات کا تجزیہ کر رہی تھی۔ جندب کا

اس کا ہر قدم ترش تھا۔ "آئی ایم سوری" اپنے قنوطی بن میں نہ جانے میں آپ سے کیا فضولیات کہہ گیا۔ "منی کی خطگی کا احساس ہوتے ہی وہ فوراً" سنبھل گیا۔

"پائے داوے آپ ہیں کون؟ میرے خیال میں انکل سم کے کوئی رشتہ دار ہیں؟" سوال کرتے کرتے منی نے خود ہی اندازہ لگایا۔

اجنبی کے قنوطیت بھرے چہرے پر مسکراہٹ کی کرن جاگ۔ "آپ کا اندازہ بالکل ٹھیک ہے، مہرین میرے ماموں کی بیٹی ہے۔ وہ جو اسٹیج پر آف وہاٹ ساڑھی پہنے خاتون مہرین کے برابر بیٹھی ہیں میری مادر ہیں۔" اس کے اشارے پر منی نے دور بنے اسٹیج پر نگاہ ڈالی۔ کافی زیادہ فاصلہ کے باوجود اس نے خاتون کو شناخت کر لیا۔

"جھاجھیہ آئی کے بیٹے ہیں آپ وہ تو دونوں سے کراچی آئی ہوئی ہیں شاید آپ آج ہی پہنچے ہیں۔ جب ہی میری آپ سے ملاقات نہیں ہوئی۔"

"کراچی آئے ہوئے تو مجھے ایک ہفتے سے زیادہ ہو گیا ہے لیکن میں یہاں اپنے کام سے آیا تھا اس لیے ایک دوست کے گھر ٹھہرا ہوا تھا۔ مہرین کی منگنی اور امی کی یہاں آمد کے بارے میں تو مجھے کوئی علم ہی نہیں تھا۔ وہ تو آج تھوڑی فرصت ملی تو سوچا ماموں سے ملاقات کر لوں۔ شام کے وقت پہنچا تھا یہاں سب نے رخصتی روک لیا۔ اب مجبوراً" اس فنکشن میں شرکت کرنی پڑ رہی ہے۔" منی کو نہ جانے کیوں اس کے چہرے پر ایک تاریک ساسایہ لہراتا نظر آیا۔ اس سے پہلے کہ وہ مزید غور کرتی ثانیہ اسے ڈھونڈتی ہوئی چلی آئی۔

"کیا ہے منی! کب سے آپ کو ڈھونڈ رہی ہوں۔ سارے کزنز کا گروپ فوٹو بنانا ہے اور آپ جاگ رہی ہیں۔"

تھوڑے لمحوں میں اس کی نظر منی کے سامنے بیٹھے

گشتہ ایک ہی جگہ مل گئے۔ اب ایک سیکنڈ کی بھی تاخیر کیے بغیر فوراً "آپ دونوں اسٹیج کی طرف چلیں ورنہ مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔" ثانیہ کے اصرار پر دونوں کو اپنی جگہ چھوڑتے ہی بنی۔

مہرین کی انگلی میں انگوٹھی پہنانا اور اس کی طرف دیکھ کر مسکراتا بھلا اسے کیوں برا لگا تھا۔ اسے عرصے سے اپنی طرف متوجہ جندب کا کسی کی طرف دیکھنا حسد میں مبتلا کر گیا تھا۔ پھر یہ اس کے دل میں موجود جندب کی خوابیدہ محبت بھی جس نے اچانک ہی سراٹھایا تھا۔ حسد کرنے کی اس کی عادت نہیں تھی۔ اور پھر ایسے معاملات میں حسد کرتا بھی کون ہے۔ آج کی تقریب میں خاندان کی اور جان پہچان کی بے شمار لڑکیاں شریک تھیں، لیکن منی ہاشمی کی طرح تو کسی نے گوشہ تنہائی میں نہا لینے کی کوشش نہیں کی تھی۔ کیونکہ ان میں سے کسی بھی لڑکی کو جندب شاہ اور مہرین صمد کی منگنی پر کوئی اعتراض نہ تھا۔

جندب کے پہلو میں بیٹھی مہرین کو دیکھ کر کسی کے دل نے تڑپ کر احتجاج نہیں کیا تھا۔ کیونکہ ان میں سے کسی کو بھی جندب شاہ سے محبت نہیں ہوئی تھی۔ محبت نے تو صرف منی ہاشمی کے دل کو اپنا سیرا کرنے کے لیے منتخب کیا تھا اور اب ایک آگ کی طرح اس کے تن میں کو جھلسا رہی تھی۔

کمرے کی خاموش فضا میں اچانک موبائل کی گنگناہٹ سنائی دی۔

بائیں ہاتھ سے لڑی کی صورت بہتے آنسوؤں کو صاف کرتے اس نے سرہانے بڑا موبائل اٹھایا۔ کبھی یہ لڑکی بھی اس طرح آنسو بہا سکتی ہے، اس کا قریب ترین شخص بھی یقین نہیں کر سکتا تھا۔

”تم کیسی ہو منی!“ لہجے میں بے قراری سموئے دو سری طرف وہی تھا۔

”میں بھی دو گھنٹے پہلے تک تو میں تمہارے آس پاس تھی جندب! اب اتنی سی دیر میں بھلا مجھے کیا ہو سکتا تھا کہ تم نے خیریت دریافت کرنے کی زحمت کر ڈالی۔“

”آس پاس ہونے کے بجائے کاش آج تم میرے ساتھ ساتھ ہو تیں منی!“ جندب شاہ کی آواز میں روٹھے بالک کی سی اداسی تھی۔

”تم نے ان ہی فضول باتوں کے لیے فون کیا ہے مجھے۔“ اس نے جانے بوجھے لہجے میں سختی پیدا کی۔

”تم شاید میرا مذاق اڑاؤ منی! لیکن سچ یہ ہے کہ واقعی میں نے اس وقت تمہاری خیریت دریافت کرنے کے لیے ہی فون کیا تھا۔ وہاں ہال میں تم اچانک ہی غائب ہو گئی تھیں اور پھر دوبارہ نظر آئیں تو مجھے یوں لگا میں کسی نئی منی کو دیکھ رہا ہوں۔ تمہارا رنگ بالکل زرد ہو رہا تھا اور تمہاری آنکھیں اتنی سرخ تھیں منی! کہ میں ڈر گیا کہ کہیں ان سے لہو ہی نہ چھلک پڑے۔ آخر کیا ہو گیا تھا تمہیں اچانک“ اور وہ اسے کیا بتائی کہ اسے کیا روگ لگ گیا تھا۔ اس لیے چپکے سے بہانا بنا گئی۔

”میری آنکھ میں کچھ چلا گیا تھا، رگڑنے سے سرخ ہو گئی۔ ٹھنڈک کے لیے پانی ڈالا تھا آنکھ میں، ساتھ میں سارا میک اپ بھی بہہ گیا۔ اسی لیے تمہیں چہو زرد لگ رہا تھا۔“

”اچھا ٹھیک ہے، تم آرام کرو۔ صبح کالج بھی جانا ہو گا تمہیں۔“ ”دھیریے سے کہتے جندب شاہ نے لائن ڈسکنکٹ کر دی تھی۔

”تم نے میری بات کا یقین نہیں کیا، مجھے معلوم ہے، لیکن آج خود پریتے حادثے کو تنہا سہنا میری مجبوری ہے۔ اپنے دل کے انجڑ نے کا دکھ تو میں سہہا سکتی ہوں لیکن اپنے پیار کو ٹوٹ کر بکھرتا نہیں دیکھ سکتی۔“ فون کی بے جان لائن اس کے ان الفاظ کو جندب شاہ تک نہیں پہنچا سکتی تھی۔

”میں نے تمہیں عائشہ نیازی کیس اسٹڈی کرنے کے لیے دیا تھا۔ اگر تم نے اس کے نوٹس بنا لیے ہوں تو فوراً“ میرے پاس لے آؤ۔ اس وقت میں فارغ ہوں۔ ہم اس کیس کے اہم پوائنٹس پر ڈسکشن کر سکتے ہیں۔“ بیرسٹر احمد ہمدانی انٹرکام پر اس سے مخاطب تھے۔ باوجود دل گرفتہ اور پریشان ہونے کے وہ فوراً ہی ”اوکے سر!“ کہتی اپنی سیٹ سے ان کے روم میں

ماننے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔ وکالت کے دائرہ میں
 پہلے کا ایک تو اسے شوق بہت تھا دوسرے عائشہ
 نیازی تیس میں اس کی اپنی خصوصی دلچسپی تھی۔
 عائشہ نیازی معاشرے میں موجود بے وقوف
 اور لوں کی وسیع کھپ میں سے ایک عورت تھی جسے
 قدر نے مظلوموں کی لسٹ میں بھی شامل کر دیا تھا۔
 عائشہ نے اپنے ایک کلاس فیلو سہیل کی محبت میں
 اپنے خاندان کی روایتوں اور عزت کو روندتے ہوئے دو
 سال قبل سہیل سے کورٹ میرج کی تھی۔ کورٹ میرج
 کرنے کی صورت میں جس طرح ہمارے معاشرے
 میں لڑکے اور لڑکی کو دباؤ اور ذلت کا سامنا کرنا پڑتا ہے
 وہی صورتحال ان دونوں کے ساتھ بھی پیش آتی تھی۔
 عائشہ کے والدین نے اس سے ہر طرح کا تعلق ختم
 کر لیا تھا۔ جب کہ سہیل کے گھر والے بھی اسے ایک
 کی حیثیت سے عزت دینے کو تیار نہیں تھا۔
 چنانچہ دونوں میاں بیوی کرانے کے ایک فلیٹ میں
 بٹھ رہے تھے۔ کچھ عرصہ تک معاملات ٹھیک چلتے
 رہے لیکن جب جذبات کا طوفان تھما تو دونوں ہی کو
 احساس زیاں ستانے لگا۔
 سہیل تو مرد تھا۔ ماں باپ نے برا بھلا کہہ کر آخر
 اس کے لیے اپنے گھر کے دروازے کھول دیے، لیکن
 اس شرط پر کہ وہ صرف تنہا وہاں آسکتا ہے۔ عائشہ کو
 اس گھر میں قدم رکھنے کی اجازت نہیں تھی۔ عائشہ
 جو ان دونوں خلیق کے مرحلے سے گزر رہی تھی۔ شدید
 احساس تنہائی کا شکار ہونے لگی۔ ماں باپ اور سسرال
 کا آسرا تو یوں بھی نہیں تھا اس پر سے سہیل بھی
 کھنکھاتا گھر سے باہر رہنے لگا۔
 اسی تناؤ زدہ ماحول میں آمنہ کی پیدائش ہوئی اور ان
 کے درمیان ہونے والی معمولی جھڑپوں نے باقاعدہ
 جھگڑا کی شکل اختیار کر لی۔ دراصل بیٹی کو سامنے دیکھ
 کر سہیل کو یہ ڈر ستانے لگا تھا کہ عائشہ جیسی عورت
 جس نے خود اپنے ماں باپ کی عزت کا خیال نہیں کیا
 کبھی اس کی بیٹی کی حفاظت اور تربیت کیا خاک کر سکے
 کہ اس ایک مسئلے نے اسے اتنا اچھایا کہ وہ ایک دن

آمنہ کو لے کر دادا دادی سے ملانے کے بہانے گھر سے
 نکلا تو واپس لوٹ کر ہی نہیں آیا۔
 بیٹی اور سہیل کی فکر میں ادھر ادھر فون کر کے
 انہیں ڈھونڈتی اور روتی بلکتی عائشہ کو اپنے اٹھارہ گھنٹے
 کے انتظار کا صلہ سہیل کی طرف سے بھیجے گئے طلاق
 نامے کی صورت میں ملا۔

وہ اس کے ساتھ نہیں رہنا چاہتا تھا کیونکہ وہ اس کی
 نظر میں ایک بد کردار عورت تھی۔ خود پر زندگی کا ہر دور
 بند کر کے سہیل کا گھر بنانے والی عائشہ کے لیے یہ
 صدمہ بڑا جانکاہ تھا۔ اس پر سہیل اس کی بیٹی اسے
 دینے کو تیار نہ تھا۔ اگر وہ اب بھی نیازی خاندان کا حصہ
 ہوتی تو سہیل کو ناکوں چنے چہواؤ الٹی لیکن اب وہ صرف
 ایک مطلقہ اور بے سہارا عورت تھی جو انصاف کی
 تلاش میں بھٹکتی بھٹکتی بالآخر ہمدانی صاحب کی
 مظلوموں کے لیے بنائی گئی تنظیم تک آپہنچی جہاں
 اس کی ملاقات منی سے ہوئی اور اب منی اس کی مدد
 کے لیے پوری طرح کمر بستہ تھی۔

”اتھتھ پوائنٹس تیار کیے ہیں تم نے، لیکن مجھے
 ایک خدشہ ہے۔“ قائل پر نظر دوڑاتے ہمدانی صاحب
 اس سے مخاطب ہوئے۔

”وہ کیا سر؟“ اس نے پوچھا لیکن اسے اس کے
 سوال کا جواب ملنے سے پہلے ہی انٹرکام بج اٹھا۔
 ”نورا“ اندر بھیج دوا نہیں۔“

دوسری طرف سے سیکرٹری نے یقیناً ”کسی خاص
 شخصیت کی آمد کی اطلاع دی تھی جو وہ یکایک بہت
 پر جوش نظر آنے لگے تھے۔ ان کی ساری توجہ داخلی
 دروازے کی طرف تھی۔ اور پھر جو شخص گلاس ڈور
 کھول کر اندر داخل ہوا اسے دیکھ کر منی بے ساختہ
 چونک پڑی وہ اسد تھا، مہرین کا کزن، اسد آج کل مہرین
 کے گھر پر ہی رہ رہا ہے، یہ بات اسے معلوم تھی لیکن
 انکل ہمدانی سے اس کا کیا تعلق ہے وہ نہیں جانتی
 تھی۔ البتہ جس پر جوش انداز میں وہ اس سے مل رہے
 تھے، اس سے یہ حقیقت واضح تھی کہ وہ کوئی خاص ہی
 شخص تھا۔

عائشہ نیازی تیس میں اس کی اپنی خصوصی دلچسپی تھی۔
 عائشہ نیازی معاشرے میں موجود بے وقوف
 اور لوں کی وسیع کھپ میں سے ایک عورت تھی جسے
 قدر نے مظلوموں کی لسٹ میں بھی شامل کر دیا تھا۔
 عائشہ نے اپنے ایک کلاس فیلو سہیل کی محبت میں
 اپنے خاندان کی روایتوں اور عزت کو روندتے ہوئے دو
 سال قبل سہیل سے کورٹ میرج کی تھی۔ کورٹ میرج
 کرنے کی صورت میں جس طرح ہمارے معاشرے
 میں لڑکے اور لڑکی کو دباؤ اور ذلت کا سامنا کرنا پڑتا ہے
 وہی صورتحال ان دونوں کے ساتھ بھی پیش آتی تھی۔
 عائشہ کے والدین نے اس سے ہر طرح کا تعلق ختم
 کر لیا تھا۔ جب کہ سہیل کے گھر والے بھی اسے ایک
 کی حیثیت سے عزت دینے کو تیار نہیں تھا۔
 چنانچہ دونوں میاں بیوی کرانے کے ایک فلیٹ میں
 بٹھ رہے تھے۔ کچھ عرصہ تک معاملات ٹھیک چلتے
 رہے لیکن جب جذبات کا طوفان تھما تو دونوں ہی کو
 احساس زیاں ستانے لگا۔
 سہیل تو مرد تھا۔ ماں باپ نے برا بھلا کہہ کر آخر
 اس کے لیے اپنے گھر کے دروازے کھول دیے، لیکن
 اس شرط پر کہ وہ صرف تنہا وہاں آسکتا ہے۔ عائشہ کو
 اس گھر میں قدم رکھنے کی اجازت نہیں تھی۔ عائشہ
 جو ان دونوں خلیق کے مرحلے سے گزر رہی تھی۔ شدید
 احساس تنہائی کا شکار ہونے لگی۔ ماں باپ اور سسرال
 کا آسرا تو یوں بھی نہیں تھا اس پر سے سہیل بھی
 کھنکھاتا گھر سے باہر رہنے لگا۔
 اسی تناؤ زدہ ماحول میں آمنہ کی پیدائش ہوئی اور ان
 کے درمیان ہونے والی معمولی جھڑپوں نے باقاعدہ
 جھگڑا کی شکل اختیار کر لی۔ دراصل بیٹی کو سامنے دیکھ
 کر سہیل کو یہ ڈر ستانے لگا تھا کہ عائشہ جیسی عورت
 جس نے خود اپنے ماں باپ کی عزت کا خیال نہیں کیا
 کبھی اس کی بیٹی کی حفاظت اور تربیت کیا خاک کر سکے
 کہ اس ایک مسئلے نے اسے اتنا اچھایا کہ وہ ایک دن

”ممنی ان سے ملو یہ اسد ہیں۔ وہی اسد جن کا نام اور تعلیمی ریکارڈ لاء کلج کے ہر اسٹوڈنٹ کو یاد ہے۔ ہمدانی انگل کے تعارف کروانے پر وہ یکدم ہی متاثر ہو گئی۔ اس رات ممنی کے فنکشن میں اس سے ملنے ہوئے اسے قطعی اندازہ نہیں تھا کہ وہ اپنے کلج کے سب سے ذہین طالب علم سے مل رہی ہے۔ اسد نے اپنے تعلیمی دور میں سابقہ تمام ریکارڈ کو توڑ ڈالا تھا۔ جب کہ اب تک کوئی دوسرا طالب علم اس کے ریکارڈ توڑنے میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔“

”اور اسد! یہ ممنی ہاسٹی ہے۔ تمہارے بعد مجھے ملنے والا ایک اور ڈرنایاب“ ہمدانی انگل اب اس کا تعارف کروا رہے تھے۔

اسد اس کی طرف دیکھتے ہوئے خوش دلی سے مسکرایا۔ ممنی نے بھی اس کی مسکراہٹ کا جواب ایک دھیمی مسکراہٹ سے دیا۔ پھر وہ لوگ آپس میں گفتگو میں مصروف ہو گئے۔ دور ان گفتگو ہی ممنی کو بتا چلا کہ اسد نے لاء کی تعلیم کراچی میں اپنے ایک چچا کے گھر رہتے ہوئے مکمل کی تھی، اس کا شمار ہمدانی صاحب کے سب سے چہیتے طالب علموں میں ہوتا تھا۔ وہ خود بھی ان سے بہت متاثر تھا اور ان کے ساتھ ہی پریکٹس کرنے کا خواہش مند بھی تھا۔ لیکن اس کے والد نے جلد ہی اسے مزید اعلیٰ تعلیم کے لیے لندن بھیجوا دیا۔ اور اب وہ فارغ تھا تو ماضی کی طرح اب بھی اس کا انتخاب ہمدانی صاحب کا چیمبر ہی تھا۔

”آپ بہت خوش قسمت ہیں ممنی! کہ آپ کو ڈگری ملنے سے پہلے ہمدانی صاحب جیسے قابل شخص کا ساتھ مل گیا۔ ایک بہترین رہنما کے بغیر تو یہ ڈگری کاغذ کے ایک ٹکڑے کے سوا کچھ بھی ثابت نہیں ہوتی۔“

ہمدانی صاحب سے باتیں کرتے کرتے اچانک ہی وہ اس سے مخاطب ہوا۔

”میں جانتی ہوں۔“ ممنی مسکرائی۔

”ارے بھئی یہ بچی خود بھی بڑی لائق اور محنتی ہے۔ تم ذرا اس کے بتائے ہوئے نوٹس دیکھو، کتنے بہترین اور عمدہ ہیں۔“ ہمدانی انگل نے عائشہ نیازی

کیس کی فائل اسد کے ہاتھ میں تھماتے ہوئے چمکی بار کھل کر اس کی تعریف کی۔

”آپ کہہ رہے تھے سزا کہ آپ کو کسی قسم کا کوئی خدشہ ہے لیکن آپ نے اپنی بات کی وضاحت نہیں کی تھی۔“ ممنی کو اچانک ہی ادھوری رہ جانے والی گفتگو کا خیال آیا۔

”خدشہ تمہارے کسی قانونی نکتے کو نظر انداز کرنے پر نہیں، بلکہ اپنے سوشل سیٹ اپ کی وجہ سے ہے۔ عائشہ کی بیٹی صرف چھ ماہ کی ہے اور قانونی طور پر ماں ہی اتنے چھوٹے بچے کو اپنے پاس رکھنے کی حقدار ہے لیکن عائشہ کی سہیل سے کورٹ میرج اور اس کے والدین کا اتنا عرصہ گزر جانے کے باوجود بھی اسے قبول نہ کرنا، جب کہ وہ مشکل میں ہے، تو ایسے نکات ہیں جن کی بناء پر مخالف وکیل اسے ایک بدکردار عورت ثابت کر سکتا ہے، اور ایسی صورت میں بچی کسی صورت بھی اسے نہیں مل سکے گی۔“

”لیکن وہ ایسی لڑکی نہیں ہے سزا! سہیل سے کورٹ میرج اس کا ایک جذباتی اور نادانی میں کیا ہوا فیصلہ تھا۔ جس کی سزا وہ بھگت رہی ہے۔“ وہ بے ساختہ ہی ہمدانی صاحب کو ٹوک گئی۔

”میں تم سے ایگری ہوں بیٹا! لیکن عائشہ کے پاس ایک مضبوط سہارا ہونا ضروری ہے۔ ہماری تنظیم کے قائم کردہ ہاسٹل میں رہنے والی لڑکی جو اپنے اخراجات کے لیے بھی ہماری محتاج ہے بھلا بچی کی ذمہ داریاں کس طرح نبھا سکتی ہے۔ یہ ایک ایسا سوال ہے جس کے جواب سے بچنے کے لیے کم از کم عائشہ کا اپنے ماں باپ سے رابطہ بہت ضروری ہے۔“ ہمدانی صاحب بہت دھیرج سے اسے سمجھا رہے تھے۔

”ٹھیک ہے سر، تو پھر میں خود اس سلسلے میں عائشہ کے ماں باپ سے ملاقات کر کے انہیں احساس دلاؤں گی۔ بچوں سے غلطیاں ہو ہی جاتی ہیں، اگر ماں باپ ان کی غلطی پر انہیں سنبھالنے کے بجائے تباہ ہونے کے لیے چھوڑ دیں تو پھر ان میں اور باقی معاشرے میں کیا فرق رہ جائے گا۔“ اس کا چہرہ غصے اور جوش سے

بالوں میں چمکی

تمتارہا تھا۔

”او کے گریل! مجھے یقین ہے کہ اگر تم انہیں سمجھاؤ گی تو وہ عائشہ کو دوبارہ قبول کرنے کے لیے تیار ہو جائیں گے۔“ ہمدانی صاحب اس کے ارادوں کی پختگی کو اچھی طرح جانتے تھے جبکہ ان کے سامنے بیٹھا اسد بہت دلچسپی سے اسے فائل اٹھا کر کمرے سے باہر نکلتے دیکھ رہا تھا۔ اس کا آج کا پر جوش اور غصیلہ انداز اس رات کے تھکے تھکے افسرہ اور اچھے ہوئے روپ سے قطعی مختلف تھا۔

”کریزی ہے عورت کے حق میں کچھ کرنا ہو تو پروفیشنل ازم سے ہٹ کر ذاتی طور پر بھی سب کچھ کرنے کے لیے تیار رہتی ہے۔“ ہمدانی صاحب نے اسد کی نظروں کا زاویہ دیکھتے ہوئے مسکرا کر بتایا۔

”ہمیشہ کریزی لوگ ہی دنیا میں کچھ کرتے ہیں سرب!“ اس نے جواب دیا۔

”اچھا پھر اجازت دیجئے جلد ہی آپ کے کریزی اسٹاف کے ساتھ کام کرنے کے لیے آپ کے آفس کا سٹخ کروں گا۔“ کچھ دیر مزید ان سے گفتگو کا سلسلہ جاری رکھنے کے بعد بالآخر اس نے ان سے اجازت طلب کی۔

”نہیں یہاں سے جانے کی اجازت ہے بنگ مین! لیکن صرف اس شرط پر کہ تم کل صبح سے ہمیں جوائن کر لو گے۔“ ہمدانی صاحب کی خوش مزاجی آج اپنے عروج پر تھی۔

”جیسے آپ کا حکم سرب!“ وہ تابعداری سے سر جھکا کر آفس سے باہر نکل گیا۔

اپنی گاڑی کا دروازہ کھولتے ہوئے اس کی نظر منی پر پڑی۔ وہ چیمبر سے باہر آرہی تھی۔

”اگر آپ گھر جا رہی ہیں تو میں آپ کو اپنے ساتھ چلنے کی آفر کر سکتا ہوں۔“ اس کے نزدیک آنے پر وہ اس سے مخاطب ہوا۔

”مجھے واقعی گھر جانا ہے اس لیے میں آپ کی آفر قبول کر سکتی ہوں۔“ اس کی بات کا جواب اسی کے انداز میں دیتے ہوئے وہ بڑے اعتماد سے اس کے ساتھ

فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گئی۔ اسد بہر حال اس کے لیے اچھا اجسی نہیں تھا کہ وہ انیسویں صدی کی ہیونٹوں کی طرح شرماتی لجاتی اس کی لفٹ کی آفر رد کر دیتی۔

”آپ نے ابھی بتایا نہیں کہ آپ نے لاء کیا ہوا ہے؟ وہ بھی میس کراچی میں رہ کر ہمارے ہی کالج سے۔“ گاڑی کے روانہ ہوتے ہی اس نے اسد سے سوال کیا۔

”بھئی اس کا موقع ہی نہیں ملا پھر ہماری آپ کی ایک آدھ سرسری ملاقات کے علاوہ بات بھی کہاں ہوئی ہے جو اتنی تفصیلات میں جایا جاتا۔“ ایک اچھٹی ہوئی نظر اس کے چہرے پر ڈال کر اس نے نظریں سامنے ٹریفک پر مرکوز کر دیں۔

”اس دن منگنی کے فنکشن سے بھی ہمدانی انکل جلدی واپس چلے گئے تھے ورنہ شاید وہیں آپ دونوں کی ملاقات ہو جاتی اور ہم آپ سے اتالیٹ متعارف نہ ہوتے۔“

منی کی بات پر وہ سختی سے اپنے ہونٹ بھیج کر رہ گیا۔ کہہ نہ سکا کہ وہ اس دن درو اور غصے کے اتنے شدید ریلے میں گھرا ہوا تھا کہ ہمدانی صاحب کو دیکھ لینے کے باوجود اپنی تاریک پناہ گاہ سے باہر نہ نکل سکا۔

کھڑکی پر پڑا پر وہ سر کاٹے وہ چند لمحوں کے لیے اپنی جگہ ساکت ہو گیا تھا۔ مدھم لائٹ کی وجہ سے اگرچہ لان کا منظر واضح نہیں تھا لیکن وہ پھر بھی وہاں موجود ہستی کو شناخت کر سکتا تھا بلکہ وہ تو یہ بھی جانتا تھا کہ وہ بہت ادا اس اور دکھی ہے۔ ایک پل کے لیے اس کا دل چاہا کہ وہ باہر جا کر اس کے ساتھ اس کا دکھ بانٹ لے لیکن دوسرے ہی پل اس نے اپنا ارادہ بدل دیا۔ اسے اعتراف تھا کہ وہ اس کے ساتھ اس کا دکھ شیئر کرنے کی اہلیت نہ رکھتا تھا۔ اگر وہ اتنا ہی اہل ہوتا تو آج وہ غم نہ نہ ہوتی۔ مہرین اس کی سگی ماموں زاد جسے وہ برسوں سے اپنی ہم سفر کے روپ میں اپنے خیالوں میں سچائے بیٹھا تھا یوں اچانک کسی اور کے نام لکھ دی جائے گی اس

لیکن تم نے تم نے تو میرے سارے خواب ہی
روند ڈالے مہوا۔

”زندگی میں جو لوگ خوابوں کی تعبیر پانے کے لیے
جدوجہد نہیں کرتے انہیں ایسے ہی مردہ خوابوں کی قبر
پر بیٹھ کر روٹا پڑتا ہے جیسے آپ رو رہے ہیں۔ حقیقت
یہ ہے کہ آپ میری طرف سے بے فکر نہیں، غافل
ہو گئے تھے اور غفلت کی سزا تو انسان کو بھگتنی ہی پڑتی
ہے۔“ مہرین کا لہجہ بڑا بے درد ہو رہا تھا۔ وہ تڑپ سا
گیا۔

”تم مجھے غفلت سے جگا بھی تو سکتی تھیں مہوا! یہ
منگنی بالکل اچانک ہی تو تمہارے سر پر مسلط نہیں
کر دی گئی ہوگی۔ اگر تم کوئی ہلکا سا اشارہ بھی مجھے دے
دیتیں تو آج صورت حال مختلف ہوتی۔“ اس کی بات
پر مہرین کے چہرے پر ایک استہزائیہ مسکراہٹ پھیل
گئی۔

”آپ اشارے کی بات کرتے ہیں۔ میں نے اس
مختصر مدت میں لاہور منگنی بار فون کیا اگر گننے بیٹھوں
تو شمار نہ ہو سکے لیکن کبھی آپ گھر پر ملے ہی نہیں۔
آپ تو لوگوں کے ساتھ تعلقات بنانے اور اپنے عالی
شان مستقبل کی جدوجہد میں مصروف تھے۔ مہو جیتی یا
مرتی بھلا آپ کو اس بات کی پروا تھی۔“

امی کئی بار مہرین کے فون کا ذکر کرتی تھیں اسے یاد
آیا لیکن ان دنوں اسے ہوش ہی نہیں تھا۔ وہ ہر بار اس
کا ذکر سرسری دلچسپی کے ساتھ سنتا اور پھر کسی
دوسرے کام میں منہمک ہو جاتا۔ اسے اتنی فرصت ہی
نہیں تھی کہ وہ اسے کال بیک کرتا۔ اپنے کاموں میں
الجھے اگر کبھی اسے اس کا خیال آ بھی جاتا تو وہ یہ سوچ کر
کہ اب چند دن بعد کراچی جانا ہی ہے وہیں جا کر اس
سے مل لوں گا۔ ٹال جاتا۔ یہ ذرا سی لاپرواہی کیا رنگ
لائے گی اسے گمان ہی نہیں تھا۔

”تم چاہو تو اب بھی بہت کچھ ہو سکتا ہے مہوا!
صرف منگنی ہی تو ہوئی ہے کوئی نکاح تو نہیں ہو گیا جسے
توڑنے کے بارے میں سوچا ہی نہیں جاسکے۔ میں آج
ہی امی سے کہتا ہوں کہ وہ ماموں جان سے بات کریں۔

کے سان و گمان میں نہیں تھا۔ اس نے بار بار اس کی
غرائی آنکھوں میں اپنے نام کا وہ پ جلتے دیکھا تھا اور
ای پ کے جلتے رہنے کا یقین دل میں لیے بڑے
ارام سے اپنے کیریر کو بنانے کی جدوجہد میں مگن تھا
لیکن اس شام مہو ماموں کے گھر جانے پر احساس ہوا تھا
کہ اسے دیر ہو چکی ہے۔

مہرین تیار ہونے باہر جا چکی تھی جبکہ باقی سارا گھر
میری شدہ سے اپنے سولہ سنگھار میں مصروف تھا۔
میں تک کہ امی بھی اپنی بھتیجی کی منگنی کی تیاریوں میں
کچھ اسے لفٹ کروانے کو قطعی تیار نہیں تھیں۔
مہو ماموں ہی تھے جو اس بھیڑ میں اس سے مخاطب
ہوئے اور ان ہی کی خاطر اسے فنکشن میں شریک بھی
ہونا پڑا ورنہ بہت ممکن تھا کہ وہ ان ہی قدموں واپس
اس سے لوٹ جاتا۔ مہرین کسی اور کے نام لکھی جا رہی
تھی اس کے دل کو یقین ہی نہیں آتا تھا اور اس بے
کئی کو دور کرنے کے لیے اگلے دن اس نے اسے گھر

”مہوا! یہ سب کیا ہے۔ وہ رات تمہارا سجا سٹورا
یہ تمہاری انگلی میں بڑی کسی اور کے نام کی
مہمانوں سے بھرا گھر خوشی کے بجتے
ہو جانے۔ کہیں یہ سب مل کر مجھے پاگل ہی نہ کر
لیں۔“

”ان سب باتوں سے آپ کے پاگل پن کا بھلا کیا
خلق۔“ اس کی آنکھوں میں درد کی حریر تھی لیکن
پنے لہجے سے وہ حیرت ظاہر کرنے کی کوشش کر رہی
تھی۔

”انجان بننے کی کوشش مت کرو مہوا! تم آج بھی
جانتی ہو اور پہلے بھی واقف تھیں کہ میرے دل میں
تمہارے لیے کیا فیصلہ کر رہی ہیں۔ میرے زبان سے کہے
جائے جس طرح تم پر سب کچھ ظاہر تھا اسی طرح تمہارا
قرار بھی میرے دل سے چھپا نہیں رہا تھا اور اسی اقرار
کے سارے میں اتنے سال تمہاری طرف سے بے
مہو مجھے یقین تھا کہ تم میرے سوا کبھی کسی
سے کچھ کرنے کے بارے میں سوچ بھی نہ سکو گی

مجھے یقین ہے کہ وہ ہماری بات سمجھ جائیں گے۔
 "نہ نہ۔ نہیں۔ آپ ایسا کچھ نہیں کریں
 گے۔" وہ خوفزدہ ہو کر ایک قدم پیچھے ہٹی۔
 "میں ایسا ہی کروں گا مہو! اور مجھے ایسا ہی کرنا
 چاہیے کیونکہ میں تمہیں کسی اور کا ہوتے ہرگز نہیں
 دیکھ سکتا۔ میرا دل یہ صدمہ سہہ نہیں سکے گا۔" اس
 کے لہجے میں جنون بول رہا تھا۔

"آپ کو اپنے دل کی فکر ہے لیکن دوسروں کی
 عزت کی نہیں۔ اپنے دوست کو دی گئی زبان سے پھر
 جانے پر میرے باپ کی خودداری اور انا کو جو گھٹیں پہنچے
 گی کیا ان کا دل اس دکھ کو سہ سکے گا؟ راجہ آنٹی جن
 کی طبیعت پہلے ہی ٹھیک نہیں اور جو بڑے ارمانوں
 سے کل رات ہی اپنے بیٹے کو میرے ساتھ منسوب
 کر کے گئی ہیں ان کا دل اس صدمے کو سہار سکے گا۔
 فیصلہ انکل جو کل اپنے سینکڑوں احباب کے سامنے
 مجھے اپنی بہو نامزد کر گئے ہیں ان کا دل اس رشتے کے
 ٹوٹنے سے ہونے والی بے عزتی کو برداشت کر سکے گا۔
 یہ سب سوچا ہے آپ نے؟ مجھے یقین ہے کہ ہرگز
 نہیں سوچا ہوگا۔ آپ میں کسی بھی معاملے کی نزاکت
 کو سمجھنے کی صلاحیت ہوتی تو آج آپ زندگی میں اس
 مقام پر نہ کھڑے ہوتے۔ مجھے بہت افسوس ہے کہنا پڑ
 رہا ہے مسٹر اسد! کہ اپنی بے شمار کامیابیوں کے باوجود
 بھی آپ زندگی کو برتنے کے امتحان میں بری طرح فیل
 ہوئے ہیں۔ نہ آپ کو کل محبت نبھانی آتی تھی اور نہ
 آج رشتوں کا مان رکھنا آتا ہے۔ آپ کل بھی اپنے
 لیے سوچتے اور جدوجہد کرتے تھے اور آج بھی بنا کسی
 کی پروا کیے صرف اپنی خوشی چاہتے ہیں لیکن یاد
 رکھیے گا کہ آپ کی خود غرضی کے اس سفر میں میں بھی
 بھی آپ کی ہم قدم نہیں بن سکتی۔"

اسے بے نقط سنائی وہ ایک جھٹکے سے اس کے
 سامنے سے اٹھ کر چلی گئی تھی۔ ہنگامہ کھڑا اسد اسے خود
 سے دور جاتا دیکھ رہا تھا اور اب یہ دوری ہی اس کا مقدر
 تھی۔ ماموں جان کے گھر ان کے بے پناہ اصرار پر
 اگرچہ اس نے رہائش اختیار کر لی تھی لیکن مہرین سے

اس کا تعلق نہ ہونے کے برابر رہ گیا تھا۔ وہ کبھی خواہ
 سے اس سے مخاطب نہیں ہوتی تھی۔ خواہ اسد میں
 بھی اس کی طرف دیکھنے کا حوصلہ نہ رہا تھا۔ لے لے لے
 کر ایک غمگین ہی تھی جو اس کے ساتھ چند چھوٹی
 موٹی باتیں کر گئی ورنہ اب بھی پہلے کی طرح وہ تھا اور
 اس کی بے پناہ مصروفیات جن کے ریلے میں رہتا ہوتا
 بہت تیزی سے مہرین عبد الصمد کو اپنے دل و دماغ سے
 فراموش کرتا جا رہا تھا۔

"آپ کو یقین ہے ناں منی جی! کہ کیس کا فیصلہ
 میرے ہی حق میں ہوگا۔" گھبرائی گھبرائی ہی عائشہ
 نیاززی بار بار اس سے ایک ہی سوال کر رہی تھی۔ آج
 اس کے مقدمے کی آخری پیشی تھی چنانچہ اس کا یہ
 اضطراب بالکل فطری تھا۔

"تمہیں اس بات میں کوئی شک نہیں ہونا چاہیے
 عائشہ! اتنے دنوں کی کارروائی سے تمہیں حالات کا
 اچھی طرح اندازہ ہو گیا ہوگا۔ سہیل اور اس کے وکیل
 میں اتنا دم ہی کہاں تھا کہ وہ اسد جیسے آدمی کے سامنے
 ٹک سکیں۔ اسد کوئی عام سے وکیل نہیں ہیں ان کا
 مقابلہ کرتے ہوئے بڑے بڑے لوگ گھبراتے ہیں اور
 تمہارا کیس تو بہت معمولی نوعیت کا ہے۔ اگر اسد خود
 اس کیس میں انٹرسٹ نہ لیتے تو ہم کسی اوسط درجے
 کے وکیل کے ذریعے بھی یہ مقدمہ جیت سکتے تھے۔"
 منی نے بھرپور طریقے سے اس کی تسلی کروائی۔

"عائشہ بیٹا! کیوں اتنا گھبرا رہی ہے اور وکیل صاحب
 کو بھی پریشان کر رکھا ہے۔ اتنے دنوں سے اسد
 صاحب سے مل رہے ہیں ہم لوگ۔ ان کے جوہر کوئی
 چھپے ہوئے تھوڑی ہیں ہم سے۔ اگر مجھے ان کی قابلیت
 پر ذرا بھی شک ہوتا تو میں خود تیرے لیے دوسرا وکیل
 گردیتا۔ ٹٹ پو بچیا تو نہیں ہے تیرا باپ کہ تیرے
 لیے کچھ کر ہی نہ سکے۔"

اپنے والد کے الفاظ سن کر عائشہ کا سر شرم سے
 جھک گیا۔ یہی والدین تھے جن کی محبت کو ٹھوکر مار کر

بڑے غور سے دیکھتے ہوئے اس سے مخاطب تھا۔
 ”مبارک باد تو مجھے دینی چاہیے تھی آپ کو۔ اس
 کیس کے وکیل تو آپ تھے۔“ منی بے اختیار ہی
 مسکرائی۔

”نہیں بھئی“ اس کامیابی کا کریڈٹ لینے کی اصل
 حقدار آپ ہی ہیں۔ سارا ہوم ورک تو آپ نے ہی کیا
 تھا۔ میں تو بس عدالت کے سامنے آکر چند جملے بولنے
 کا سزاوار ہوں۔ اگر آپ کو ڈگری اور لائسنس مل چکا
 ہو تا تو آپ یہ کام بھی بخوبی کر لیتیں بلکہ شاید مجھ سے
 بھی کم وقت لگتا آپ کو انہی بات منوانے میں۔ ابھی تو
 آپ کا فائنل ایر بھی مکمل نہیں ہوا تو آپ کی ذہنی
 ایروج اتنی بلند ہے جب صحیح معنوں میں فیلڈ میں قدم
 رکھیں گی تو یقیناً خواتین و کلاء کی لسٹ میں بہت پرنام
 ثابت ہوں گی۔“ پارکنگ کی طرف جاتے ہوئے وہ
 بڑے کھلے الفاظ میں اسے سراہ رہا تھا۔

عائشہ ان سے بھی پہلے اپنے والدین کے ساتھ
 وہاں سے روانہ ہو چکی تھی۔

”کہاں ڈراپ کروں آپ کو آفس یا گھر؟“ اس
 کے لیے فرنٹ ڈور کھولتے ہوئے وہ اس سے پوچھنے
 لگا۔

”گھر۔ خوشی کے موقع پر میں ہمیشہ اپنے گھر جانا
 پسند کرتی ہوں۔“ وہ مسکرائی۔

”وہ کیوں بھئی؟“ اسد حیران ہوا۔

”دیکھیں نا آفس میں تو سب کے لیے یہ ایک
 معمولی نوعیت کا واقعہ ہے۔ ان کے سامنے بے تحاشا
 خوشی کا اظہار کروں گی تو وہ سب مجھے پاگل سمجھیں گے
 جبکہ میں سچ سچ خود کو خوش ظاہر کرنا چاہتی ہوں۔ ہاں
 البتہ چند سال بعد شاید میں بھی اس طرح کے واقعات
 کو ایک روٹین کی طرح محسوس کرنے لگوں لیکن ابھی
 نہیں۔“

وہ واقعی بے تحاشا خوش لگ رہی تھی۔ اسد اس کی
 دیوانگی پر مسکراتے لگا۔ منی کی شخصیت کے سارے
 رنگ بڑے پر خوش اور ہنگامہ خیز تھے جو آہستہ آہستہ
 مہرین کے ٹھہرے ٹھہرے انداز پر غالب ہوتے

منی کے ساتھ چل پڑی تھی
 سب سے ہنسنے والی تھی جہاں اس کے خاندان
 اور اس مقام پر کھڑی تھی جہاں اس کے خاندان
 کی کسی بڑی نے کبھی قدم نہ رکھا ہو گا پھر بھی وہ خوش
 تھی کہ منی ہاتھی سے جا ٹکرائی۔ منی اور اسد
 کے والدین کے سامنے اس کے لیے اتنی بار
 بارش کی انہیں اتنا متایا کہ بالآخر وہ لوگ پہنچ ہی

اسد اور خود نیازی صاحب کے اختیار اتنے ہی یہ
 ممکن بنایا تھا کہ عدالت نے انہیں بہت قریب قریب
 کی تاریخیں دی تھیں اور چند ہی ہفتہوں کے بعد جج
 نے جج آخری فیصلہ سننے کا اعلان کر دیا تھا۔ ورنہ
 اس قسم کے معاملات میں دوسری پارٹی تاخیری
 کے استعمال کرنے کا سوچتی ہے لیکن اب عائشہ
 کی بیک مضبوط تھی جبکہ اس کے مقابلے میں
 اس کا تو وکیل اتنا ماہر تھا اور نہ ہی اس میں طویل
 سے تک مقدمے کو طویل دینے کی استطاعت تھی۔

ایک عام ساملازمت پیشہ شخص تھا جو ایک بے آسرا
 عورت کو دیکھ کر شیر ہو گیا تھا لیکن اب یہ عورت جن
 مضبوط ستونوں کا سہارا لیے کھڑی تھی ان سے سہیل
 سرتو ٹکرا سکتا تھا لیکن انہیں ہلانے کی طاقت نہ تھی

”چلے بھئی“ آپ لوگ تیار ہو جائیے۔ اب پانچ
 منٹ بعد ہماری باری آنے والی ہے۔“

وکیلوں کے مخصوص بلیک کوٹ میں ملبوس اسد نے
 اگر ان لوگوں کو اطلاع فراہم کی اور اپنے ہاتھ میں پکڑی
 فائل کے صفحے التما واپس پلٹ گیا۔ عدالت نے
 ضابطے کی کارروائی مکمل کرنے کے بعد فوراً ہی
 جسٹس کا فیصلہ عائشہ نیازی کے حق میں سنایا تھا۔
 عائشہ عدالت کا فیصلہ سن کر جہاں خوشی سے بے اختیار
 ہنسنے لگی تھی منی کی آنکھوں میں بھی ہلکی سی نمی

”مبارک ہو بھئی منی! آپ جیت گئیں۔“ جلد ہی
 اس کی دہلی چلا آیا تھا اور اب اس کے خوشی سے
 جھلکنے چہرے اور آنکھوں میں چمکتے شفاف پانی کو

”کہاں رہتی ہو منی آج کل۔ کئی کئی دن گزر جاتے ہیں اور تم سے ملاقات ہی نہیں ہو پاتی۔ ابھی تو وکیل بنی نہیں ہو تو مصروفیت کا یہ عالم ہے جب بن جاؤ گی تو شاید ہم لوگوں کو تم سے ملاقات کے لیے باقاعدہ پلانٹ لینا پڑے گا۔“

ہادیہ واقعی آج بڑے دنوں بعد اس سے مل رہی تھی اس لیے اس کا شکوہ بالکل بجاتا تھا۔

”میرا شیڈول تو شروع ہی سے ٹف رہا ہے یار! لیکن شاید آج کل تم ہی وقت نہیں نکال پارہی ہو ہماری طرف آنے کا ورنہ کوئی نئی مصروفیت تو نہیں پالی میں نے۔“

”خیر یہ تو نہ کہو تمہاری ایک خوشگوار سی نئی مصروفیت ہمیں نظر تو آرہی ہے اور ہم دعا گو ہیں کہ یہ مصروفیت مستقل تمہاری ہم قدم ہو جائے۔“ ہادیہ نے شوخی سے اسے چھیڑا۔

”کس نئی مصروفیت کی بات کر رہی ہو تم میں سمجھی نہیں؟“ وہ چونکی۔

”اسد جیلانی کی۔ موصوف آج کل بڑی باقاعدگی سے تمہیں پک اینڈ ڈراپ دیتے نظر آرہے ہیں۔ اچھا ہے کہ وہ مکمل طور پر یہ ذمہ داری اپنے سر لے لیں۔ ذہین ہیں، اسمارٹ ہیں اور سب سے بڑھ کر تمہارے ہم پیشہ اور ہم خیال ہیں۔ تمہیں تمہارے کاموں میں سپورٹ کرنے والا اچھا ساتھی مل جائے گا اور پھپھو جان جو ہر وقت تمہاری فکر میں گھلتی رہتی ہیں، پرسکون ہو جائیں گی۔“

”شٹ اپ ہادیہ! کیا فضول بکواس کے جارہی ہو۔

اسد میرے ساتھ آفس میں ہیں۔ ہم لوگ کام کے سلسلے میں ایک دوسرے سے ملتے ہیں۔ تم اتنی نیو مائنڈڈ کب سے ہو گئیں کہ جہاں ایک لڑکا اور لڑکی کو ساتھ دیکھا غلط مطلب نکالنے لگیں۔“ اس کا انداز کافی جھنجھایا ہوا اور غصیلا تھا لیکن ہادیہ نے کوئی

”تم شروع ہی سے ڈفر ہو مجھے معلوم ہے میں نے تم سے ایسے عقل مندانہ فیصلوں کی مجھے کوئی امید نہیں لیکن منی ڈیر! تمہیں خود کو بدلنا ہو گا۔ شکوے تمہیں ایک نہ ایک دن کسی نہ کسی سے کرنی ہے اس لیے بہتر ہے کہ عقل سے کام لو اور اس شخص کو اپنا لائف پارٹنر منتخب کرو جو تمہاری زندگی کی ترجیحات میں تمہارا ساتھ دے سکے اور اسد جیلانی ایسا ہی ہے۔“

”اچھا بابا! جب کوئی بات ہو گی تو دیکھا جائے گا۔ تمہارا تو یہ حال ہے کہ سوت نہ کپاس بولا ہے سے لہٹم لٹھا۔ اسد جیلانی نے نہ مجھ سے ایسا کچھ کہا نہ میرے دل میں ایسا کوئی خیال آیا اور تم چلی ہو رشتہ داریاں جوڑنے۔“ منی کو ہادیہ کے خلوص پر کوئی شک نہیں تھا لہذا اس سے مزید اچھے بنا بات کو ٹال دینے میں ہی عافیت سمجھی۔

”اچھا چھوٹو یہ بتاؤ کہ اس وقت کیا کر رہی ہو؟ اگر مصروف نہیں تو میرے ساتھ فیب انگل کے ہاں چلو۔ ثانیہ اور جندب کی شادی کی تیاریاں عروج پر ہیں اور اکیلی رابعہ آنٹی کو سب کچھ دیکھنا پڑ رہا ہے۔ دو شادیاں ایک ساتھ نمٹانا بھلا کوئی آسان بات ہے۔ اس پر سے بے چاری آنٹی اپنی طبیعت کی خرابی کی وجہ سے بازاروں کے چکر بھی نہیں لگا سکتیں۔ میں ہی اکثر ثانیہ کو لے کر چلی جاتی ہوں خریداری کرنے۔ کبھی علیحدہ بھا بھی ہاتھ بٹا دیتی ہیں لیکن وہ بیچاری بھی کیا کریں چھوٹے بچے کا ساتھ ہے اور ایک تم ہو بے وفا دوست۔ کبھی پوچھنے کی زحمت بھی گوارا نہیں کرتیں کہ تمہارے لائق کوئی کام ہے یا نہیں۔“ ہادیہ نے اسے لتاڑا۔

”پوچھنے کا فائدہ بھی کیا ہے یار! تمہیں پتا ہے کہ وہاں میرے کرنے لائق کوئی کام نہیں۔ نہ مجھے فیشن کا پتا ہے نہ ٹرینڈ کی خبر۔ دوپٹوں پر گونا گونا رنگے کا کارنامہ بھی میں انجام نہیں دے سکتی تو پھر پوچھ کر کروں کیا۔“

شہزادوں کے۔
 دنیائے کی بات الگ ہے لیکن جناب کو مجھے دیکھ کر
 نہیں لگے گا۔ وہ میری موجودگی سے خوش نہیں
 ہوگا اس کے سارے زخم اُدھڑنے لگیں گے اور
 مجھ میں بھی یہ سب دیکھنے کا حوصلہ نہ ہو۔ کھلی
 سچائی سے اپنا دل اجڑنے کا منظر دیکھنا بہت مشکل
 ہے۔ میں مصروفیات کے دائروں میں خود کو قید
 کرنے اپنے آپ کو اس محبت کے عذاب سے بچانے
 کوشش کر رہی ہوں جو پہلے کبھی میرے لیے تھی
 میں نے اپنی نادانی سے اسے اپنے ہی ہاتھوں کھو
 دیا۔ وہ یہ سب سوچ سکتی تھی لیکن کہنے کا اختیار کھو
 گیا۔

۱۲۔ اچھا چلتے ہیں۔ ویسے بھی میرا P.C خراب پڑا۔
 ۱۳۔ اچھا ہے جنرل کا P.C یوز کر لوں گی۔ ”وہ
 ۱۴۔ ایک فائل نکال کر چلنے کے لیے تیار

جناب کسی کام کے سلسلے میں گھر سے باہر تھا، وہ

اچانک ہی ایک ہاتھ پیچھے سے آیا۔ وہ ایک ٹک کی بورڈ پر اس کی انگلیوں کی حرکت دیکھتی رہی۔ اس نے اپنے سابقہ پاس ورڈ سے منی کے نام کے حروف نکال کر Space ڈال دیا تھا۔ یہ نیا پاس ورڈ ڈالتے ہی اس نے اپنے سامنے موجود مانیٹر کو ورگنگ کنڈیشن میں پایا لیکن وہ سہکت بیٹھی رہی۔ اس کی پشت سے کی بورڈ کی طرف آنے والا ہاتھ واپس جا چکا تھا۔ اس نے دھیرے سے چیئر کا سرخ بدلا۔ وہ اپنی تمام تر وجاہتوں کے ساتھ سینے پر اپنے دونوں ہاتھ لپیٹے اس کے سامنے کھڑا تھا۔

منی کو اپنا دل ٹکڑے ٹکڑے ہوتا محسوس ہوا۔
اسے لگا کہ وہ کچھ مل اور یہاں رک گئی تو جندپ شاہ
کے قدموں میں کالج کی طرح ٹوٹ کر بکھر جائے گی اور

سے ایسے محفل منور ہوا
 میں لیکن منی فیروز احمد نے
 ایس ایک نہ ایک دن کی
 ہے بہتر ہے کہ عقل من کی
 ف پارتی منتخب کو جو تھیں
 تمہارا ساتھ دے کے اور
 "اچھا بابا! جب کوئی بات ہو
 را تو یہ حال ہے کہ سوت نہ
 م تھا۔ اسد جیلانی نے نہ
 سے دل میں ایسا کوئی خیال
 اس جوڑنے" منی کو ہار کے
 تھا "لہذا اس سے مزید کچھ
 ی عافیت سمجھی۔
 "اچھا چھوڑو یہ بتاؤ کہ اس وقت
 نہیں تو میرے ساتھ نیب
 اور جناب کی شادی کی تیاریاں
 رابعہ آنی کو سب کچھ دیکھا
 ایک ساتھ نمٹانا بھلا کوئی آسان
 ہے چاری آنی اپنی طبیعت کی
 کے چکر بھی نہیں لگائیں
 لے کر چلی جاتی ہوں خریداری
 باتھ بنا دیتی ہیں لیکن وہ
 بچے کا ساتھ ہے اور ایک
 کبھی بچنے کی زحمت بھی
 ہمارے لائق کوئی کام ہے یا
 تارا۔
 بچے کا فائدہ بھی کیا ہے
 کرنے لائق کوئی کام
 ہرے کی خبر دینا
 ہرے کی خبر دینا

وہ سمجھتا نہیں چاہتی تھی کیونکہ جانتی تھی کہ یہ کانچ
جدائی کے راستے پر گھٹ گھٹ کر چلتے اس شخص
کے قدموں کو مزید زخمی کر دیں گے کہ اس راستے سے
واپس پلٹنے کا کوئی اختیار اسے حاصل نہ تھا۔ وہ سرپٹ
دوڑتی اس کے کمرے سے باہر نکل گئی۔

”مگر میں آپ سے ایک بات کہوں تو آپ برا تو
نہیں مانیں گی منی! اسد جیلانی نے گاڑی کو گھر کی
طرف جانے والے راستے پر ڈالتے اچانک ہی اس سے
پوچھا۔ وہ آج پھر اس کے ساتھ اس کی گاڑی میں
تھی۔

”یہ تو آپ کی بات پر ڈیپنڈ کرتا ہے۔ اگر برا ماننے
والی بات ہوگی تو مان جاؤں گی ورنہ نہیں۔“ اس نے
لا پرواہی سے جواب دیا۔

”ویسے تو برا ماننے والی بات نہیں لیکن تم اپنی منقو
لڑکی ہو کہ پتا ہی نہیں چلتا کہ تمہیں کیا اچھا لگے گا اور
کیا نہیں۔“ وہ جھجکا۔

”ارے بھئی! جو کہنا ہے کہہ دیں۔ اگر مجھے آپ
کی بات بری بھی لگی تو میں اتنی خوفناک ہرگز نہیں جتنا
آپ سمجھ رہے ہیں۔“ وہ مسکرائی۔

”میں اپنی امی کو آپ کے پیرئٹس کے پاس بھیجنا
چاہتا ہوں۔ امی مین اپنا پرنسزل دے کر۔“ وہ بولا تو ایک
نکتہ ہی منی کا چہرہ پتھر اگیا وہ رخ موڑ کر کھڑکی سے باہر
اپنے ارد گرد والوں ٹریفک کو دیکھنے لگی۔

”تمہیں شاید میری بات بری لگی۔“ اسد نے
اندازہ لگایا۔

”نہیں لیکن میرے لیے یہ بہت اچانک ہے۔ میں
فوری طور پر یہ فیصلہ نہیں کر سکتی مجھے کچھ وقت
چاہیے سوچنے کے لیے اس لیے پلیز ابھی آپ اپنی
امی سے کچھ مت کہیے گا۔“ اس کے الفاظ اتنے غیر
حوصلہ افزا نہیں تھے لیکن پتہ نہیں کیوں اسد کو اس کا
لہجہ بے حد سناٹا لگا۔

ٹامیہ کی خالہ پاکستان آچکی تھیں ان کی آمد کے
ساتھ ہی دونوں بہن بھائیوں کی شادی کی ڈیڈ لائن
کر دی گئی تھی۔ صرف ایک ماہ کا قلیل وقفہ تھا جس
کے بعد جنوب شاہ کی ذات سے اس کا آخری اختیار
بھی ختم ہو جاتا۔ زندگی کے اس موڑ پر وہ اپنے لیے کوئی
بہتر فیصلہ کر لینا چاہتی تھی۔ اسد کا پرنسزل اس کے
سامنے تھا۔ وہ بالکل ویسا ہی تھا جیسا کہ منی نے اپنے
لائف پارٹنر کے بارے میں سوچا تھا۔ ذہین، لائق، آزاد
خیال اور اس کے ساتھ اس کی ترجیحات کو نبھانے والا
لیکن پھر بھی کوئی چیز تھی جو اسے اسد کو ہاں کہنے سے
روک رہی تھی۔ شاید جنوب شاہ کی سچی اور پُر خلوص
محبت تھی جس نے منی ہاشمی اور اس کے آئیڈیل کے
درمیان دیوار کھڑی کر دی تھی۔ وہ لاکھ چاہنے کے باوجود
اس دیوار کو گرانے کی ہمت خود میں نہیں پارہی تھی۔
وہ دوہرے عذاب میں مبتلا تھی۔ محبت اسے اپنا اسیر
کر چکی تھی اور وہ زبان سے کوئی احتجاج بھی نہیں
کر سکتی تھی۔

ایسے ہی اذیت ناک دنوں میں ایک روز بڑی مملانی
نے اسے بلا بھیجا۔ اتفاقاً ہی آج اس نے کانچ اور
آفس دونوں جگہ سے چھٹی کر لی تھی۔ ماموں کے گھر
ہادیہ اس سے پہلے ہی موجود تھی۔

”شادی میں بہت تھوڑے دن رہ گئے ہیں بیٹا! یوں
تو کافی تیاری ہادیہ اور ٹامیہ نے مل کر کر لی ہے لیکن ابھی
نکاح اور ویلے کے جوڑے باقی ہیں۔ ثانی کو تو اس کی
خالہ چھوڑنے کے لیے بالکل راضی نہیں۔ ساری بری
اس کی پسند سے بنوانا چاہتی ہیں۔ میرے دل میں خیال
آیا کہ مہرین کے لیے بھی ویلے کا سوٹ اس کی پسند
سے بنوایا جائے۔ اکیلی وہ جنوب کے ساتھ جانے کے
لیے راضی نہیں ہوگی۔ بہت شرمیلی بچی ہے اس لیے
چاہتی ہوں کہ تم دونوں مہرین کو لے کر جنوب کے
ساتھ چلی جاؤ۔ اس کی جھجک بھی ٹوٹ جائے گی اور
صلاح مشورہ کر کے خریدنے میں آسانی بھی رہے
گی۔“ مملانی کی بات نے اسے گہرا سانس لینے پر مجبور
کر دیا تھا۔ یعنی محبت کو ٹھکرانے کی اتنی سزا کافی نہیں

سوالیہ نظروں سے جنرل کی طرف دیکھا تھا۔ وہ چاہتی تھی کہ یہ اس کا فیورٹ کھڑے ہو۔

”مجھے یہ رنگ تمہارے سوا کسی دوسرے پر اچھا نہیں لگتا۔“ اس کی سوالیہ نظروں کے جواب میں اس نے منی کے کان میں سرگوشی کی تھی۔ وہ بے بس سی ہو کر ہادیہ کی طرف متوجہ ہو گئی۔ جواب ایک انگریزی اور میروں کنٹراسٹ کا شرارہ منتخب کے بیٹھی تھی۔ کئی گھنٹوں کی خواری کے بعد وہ لوگ شاپنگ بیگز اٹھائے شاپنگ سینٹر سے باہر نکلے تھے۔

”تم لوگ یہیں ٹھہرو، میں گاڑی میں لے کر آتا ہوں۔ وہ سڑک کے اس پار کھڑی گاڑی کی طرف بڑھتے ہوئے بولا تھا۔ آتے ہوئے بے انتہا رش کے سبب مجبوراً اسے گاڑی کو شاپنگ سینٹر کے بجائے اس کے سامنے واقع ایک آفس کے سامنے پارک کرنا پڑا تھا۔

وہ لوگ خاموشی سے کھڑی اسے پر ہجوم سڑک کو کراس کرتا دیکھ رہی تھیں۔ اچانک ہی منی کو ایک تیز رفتار کوچ نظر آئی۔ کوچ بہت تیزی سے جنرل کی طرف بڑھ رہی تھی لیکن نہ جانے وہ کن خیالوں میں ڈوبا ہوا تھا کہ اس کی توجہ اس کی طرف نہیں تھی۔

”جنرل۔۔۔!“ ایک زوردار چیخ کے ساتھ وہ بے اختیار ہی اندھا دھند سڑک پر دوڑی تھی۔ اس کی آواز پر جنرل چونک کر پیچھے مڑا تھا اور یہی بل بھر کا مڑنا اس کی زندگی بچا گیا تھا۔ کوچ زن سے اس کے برابر سے گزر گئی تھی لیکن عین ان ہی لمحات میں دونوں کی طرح اس کی طرف دوڑ کر آتی منی کو ایک ٹیکسی نے ٹکرماری تھی۔ ٹیکسی کی ٹکر سے وہ بہت بری طرح اچھل کر سڑک پر گری تھی۔ کئی گاڑیوں کے بریک ایک ساتھ چرچرائے تھے۔ ٹیکسی والا برق رفتاری سے اپنی ٹیکسی دوڑاتا وہاں سے بھاگ گیا تھا۔ یوں بھی ہر شخص گواہ تھا کہ اس حادثے میں ٹیکسی والے کا نہیں بلکہ اس لڑکی کا قصور ہے جو بالکل اچانک ہی دوڑتی ہوئی سڑک پر آئی تھی۔ لوگ بہت تیزی سے منی کے گرد جمع ہو رہے تھے جس کا کاسنی لباس جگہ جگہ سے

مٹی پر چھ گئی تھی بلکہ اسے پل پل سے اپنے ہاتھوں اپنے دل کو قتل کرنا تھا۔ یہ صورت وہ ممالی جان کی بات ٹال نہیں سکتی تھی۔

جنرل ہزاری مہرین بھی ان کے ساتھ تھی۔ گاڑی کے ساتھ جنرل فرنٹ سیٹ پر بیٹھنے کے لیے مٹی نہیں ہوئی تھی۔ اس کے اس حمل کو شرم و حیا محسوس کرتے ہوئے ہادیہ اسے لے کر پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی تھی۔ مجبوراً منی کو فرنٹ سیٹ سنبھالنی پڑی۔ جنرل نے ایک شکوہ بھری نگاہ اس پر ڈالی تھی کہ رہا ہو۔ ”اگر تم چاہتیں تو یہ سیٹ ہمیشہ کے لیے تمہارے لیے مخصوص رہتی۔“ منی نے اس سے جواب دیا کہ اس کی توجہ پچھلی سیٹ پر موجود ہادیہ اور مہرین کی طرف مبذول کر دی تھی۔

ہادیہ بہترین ڈریس ڈیزائنر تھی اس لیے ہمیشہ اس کے بدلتے تقاضوں سے آگاہ رہتی تھی۔ اب بھی وہ اس کے روایتی انداز سے ہٹ کر مختلف انداز اور لباس کے ملبوسات کے بارے میں مہرین کو بتا رہی تھی۔ مہرین کافی غیر دلچسپی سے اس گفتگو میں حصہ لے رہی تھی۔ یہ بات منی نے محسوس تو کی لیکن نظر انداز کر دی لیکن مہرین کا یہ انداز پوری شاپنگ کے دوران ایک بار باقی رہا تھا۔ بالآخر ہادیہ نے خود ہی اس کے لیے ایک منتخب کر لیا تھا۔ یہ کاسنی رنگ کا غرارہ سوٹ تھا جس پر ڈارک پریل لیسٹکس کے ساتھ مروڑی کا

”دیکھو مہرین! یہ سوٹ کیسا رہے گا؟“ ہادیہ کے چہرے پر مہرین نے اثبات میں سر ہلادیا تھا جبکہ منی کو اس سوٹ پر ہادیہ کی پسند آیا تھا۔

”اے چھوڑو ہادیہ! کسی اور کو مہی نیشن کا ڈریس پہنا کر دیکھو۔“ جنرل نے سوٹ کو رد کر دیا۔

”کچھ اور دیکھ لیتے ہیں۔ تمہاری پسند ہے؟“ اگر تمہیں ہی پسند نہیں آیا تو کیا ہوگا؟ فوراً ہی دوسرے سوٹ دیکھنے میں لگی تھی جبکہ منی نے قدرے چونک کر

نکلے خون کی بنا پر اپنی رنگت کھو بیٹھا تھا۔ کسی کے کچھ کرنے سے پہلے جندب بے ہوش منی کو اپنی بانہوں میں اٹھائے کار کی طرف دوڑا تھا۔ اسے اس وقت کسی شے کا ہوش نہیں تھا۔

ہادیہ دوڑ کر اس کے ساتھ گاڑی میں سوار ہو گئی تھی۔ منی کا سر اس نے اپنی گود میں رکھا تھا۔ ساتھ ہی وہ مہرین کو بھی آوازیں دے رہی تھی جو ہجوم میں پھنسی ان تک پہنچنے میں کامیاب نہیں ہو پا رہی تھی۔ جندب کو اس وقت جلد سے جلد منی کو ہاسپٹل پہنچانے کے علاوہ کسی دوسری بات کا دھیان نہیں تھا۔ سو وہ مہرین کے گاڑی تک پہنچنے سے پہلے زن سے گاڑی دوڑا تا وہاں سے نکل گیا تھا۔ پیچھے وہ تنہا اس پر ہجوم سڑک پر کھڑی سائیکس نظروں سے سڑک پر بکھرے سیکس کو دیکھ رہی تھی۔ ان سیکس میں اس کا عروسی جوڑا اور دیگر چیزیں تھیں۔ اب سے کچھ دیر پہلے یہ سیکس شاپنگ بیگز میں رکھے جندب کے ہاتھ میں تھے اور اب وہاں جس شخص کو موقع مل رہا تھا وہ انہیں لوٹنے میں مصروف تھا۔ انہیں یوں لاوارث چھوڑ کر جانے والے کے لیے یقیناً ان چیزوں اور اس لڑکی کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ وہ چیز جو اس کے لیے اہم تھی وہ اسے لمحوں میں ایک قیمتی متاع کی طرح اپنی بانہوں میں سمیٹ کر وہاں سے جا چکا تھا۔

”کیا مجھے جندب کے اس عمل سے تکلیف پہنچی ہے؟“ مہرین نے خود سے سوال کیا لیکن اسے جواب ”نہیں“ کی صورت میں ملا۔

”مجھ جیسی لڑکی جو پہلے ہی اپنے جذبے کسی اور کے نام کر چکی ہے یقیناً ایسے ہی سلوک کی مستحق تھی۔“ بے ردی سے سوچتی وہ اس پولیس مین کی طرف متوجہ ہو گئی تھی جو اس سے حادثے کی تفصیلات معلوم کر رہا تھا۔

”برور گار! تو جانتا ہے دلوں کا حال“ میں جی نہ سکوں گا جو اسے کچھ بھی ہو گیا۔

وہ آئی سی یو کے باہر بے چینی سے ٹہل رہا تھا اس کی روح کا سارا اضطراب جیسے اس کے قدموں میں اتر آیا تھا۔

”خدا کے لیے جندب! تم تھوڑی دیر کے لیے آرام سے بیٹھ جاؤ تمہارے اس طرح ٹھہرنے سے کچھ فائدہ نہیں ہو گا۔“ ہادیہ مسلسل کئی گھنٹوں سے اس کا یہ انداز دیکھ رہی تھی بالآخر اسے ٹوک گئی۔

”وہ تکلیف میں ہے ہادیہ! اور تم مجھے آرام سے بیٹھنے کو کہہ رہی ہو۔ میرا بس نہیں چلنا کہ اس کی ہر چوٹ اپنے جسم پر سجالوں اور اسے پہلے کی طرح ہنستا مسکراتا تم لوگوں کے درمیان لاکھڑا کروں۔“ اس کے دل کی دیوانگی اس کے لہجے سے بھی عیاں تھی۔

”ہر شخص کو اپنے نصیب کی تکلیف خود سہنی ہوتی ہے۔ اگر تم اس کے لیے کچھ کر سکتے ہو تو وہ صرف دعا ہے اور یقین کرو دعا میں بڑی طاقت ہوتی ہے۔ اگر کوئی کسی کی تکلیف لے سکتا تو سب سے پہلے خدیجہ چھو اپنی انگوٹھی بیٹی کی تکلیف اپنے اوپر لیشیں لیکن دیکھو انہوں نے بھی دعا کا دامن تھام رکھا ہے۔ جاؤ تم بھی اپنے لیے تکلیف مانگنے کے بجائے رب سے اس کی زندگی اور صحت مانگو۔“

وہ اس کی دیوانگی کو محسوس کر رہی تھی اس لیے اس کا ہاتھ پکڑ کر سب لوگوں سے ذرا دور لے گئی۔ ہادیہ نے راستے میں ہی جندب کے موبائل سے گھروفن کر کے گھر والوں کو حادثے کی خبر دے دی تھی چنانچہ ان لوگوں کے ہاسپٹل پہنچنے کے کچھ ہی دیر بعد سب لوگ وہاں جمع ہو گئے تھے۔

”اگر اسے کچھ ہوا تو اس سے پہلے میں مر جاؤں گا“ ہادیہ! ”وہ اتنا مضبوط اونچا پورا مرد اس کے سامنے کھڑا زار و قطار رو رہا تھا۔ ہادیہ دھیرے سے اس کا ہاتھ تھم کر رہ گئی۔ آنسو تو خود اس کی آنکھوں سے بھی ہنارے جاری تھے۔

”ایسا کیوں کیا تھا دوست! میری طرف آئی سمیت

خواتین ڈائجسٹ پیلی کیشنز

کی ایک خوبصورت پیشکش

نامور مصنفہ رضیہ جمیل

کا ”ساگر دریا بادل بوند“

کے بعد مشہور و معروف ناول

اک گروینڈ ۵۵ ہیرف کا

اب کتابی شکل میں شائع ہو گیا ہے

☆ خوبصورت سرورق

☆ مضبوط جلد

☆ آفت پیر

قیمت صرف = 300 روپے

کتاب منگوانے کے لیے

آج ہی = 330 روپے

کامنٹی آرڈر یا پیسک ڈرافٹ

ارسال فرمائیں۔

ملنے کا

مکتبہ عمران ڈائجسٹ

37 اردو بازار کراچی

اپنے سر لیے نہیں ذرا بھی میرا خیال نہ آیا۔ کتنا ترپایا
وہ ڈالا ہے مجھے تمہاری تکلیف نے۔ دل چاہتا تھا اپنا
وہ کسی بلند در سے روند ڈالوں۔ وہ ساری چو میں جو
تمہیں ملی ہیں اپنے بدن پر سجالوں لیکن پھر یہ سوچ کر
تم نہ کر سکا کہ اب تو یہ وجود تمہاری امانت ہے۔ تم
اپنی جان خطرے میں ڈال کر مجھے بچایا ہے، سواب
تم ہی اس جان کی حقدار ہو۔ میرا تو کوئی اختیار رہا ہی
نہیں۔

اس زندگی پر۔
وہ اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھامے بڑی دیوانگی سے
رہا تھا۔ حادثے میں بڑی شدید چو میں آئی تھیں
لی کو گھر والوں کی بے پناہ دعاؤں اس کی مظلوموں
لیے کی گئی تھیں اور رب کی مہربانی نے اسے نئی
عطا کی تھی۔ پورے ایک مہینے سے وہ ہاسپٹل
میں تھی۔ اس دوران جناب کی شادی کی ڈیٹ آکر
گئی تھی۔ وہ اس کی عدم موجودگی میں دولہا بننے کو
نہیں ہوا تھا۔ البتہ ثانیہ کو چونکہ خالہ اپنے ساتھ
دھارے لے جانا چاہتی تھیں اس لیے اسے مقرر کردہ
دین کے روپے پر بھی۔ اس روز سڑک پر تنہا رہ
نے والی مہرین کو ایک پولیس آفیسر نے گھر پہنچایا تھا۔
”تم نے ایسا کیوں کیا منی!“ اس نے اس بار
سڑکوں میں اپنا سوال دہرایا تھا۔ منی اس کے انداز پر
کھنکھانے لگی۔

”یہاں تمہارے سوا دو لڑکیاں اور بھی تھیں منی! ایک تمہاری ہی طرح میری بچپن کی دوست اور کزن اور دو سہیلی میری ہونے والی بیوی۔ انہوں نے بھی تمہاری طرح سب کچھ دیکھا تھا لیکن وہ تو بول بولوانہ دار

میرے لیے نہیں دوڑی تھیں پھر تم کیوں خود پر سے اختیار کھو بیٹھیں۔" وکیل وہ بھی لیکن جرح وہ کر رہا تھا۔

"میں کیا کہہ سکتی ہوں اس بارے میں۔ ویسے بھی ایک ہی حادثے پر مختلف لوگوں کا رد عمل مختلف ہوتا ہے۔"

"یہی تو میں بھی کہہ رہا ہوں تم سے۔ اس دن تمہارا رد عمل سب سے مختلف تھا کیونکہ تمہارا جذبہ بھی سب سے مختلف تھا۔" وہ جو کہہ رہا تھا۔ منی آنکھیں ملا کر اس حقیقت کو رد نہیں کر سکتی تھی۔ سو نظر چرا گئی۔

"وہ محبت تھی ناں منی! جس نے تمہیں ہوش و حواس سے بیگانہ کر دیا تھا۔ میں جانتا ہوں محبت کے سوا کوئی جذبہ اتنا طاقت ور نہیں ہوتا جو کسی دوسرے کی خاطر انسان کو اپنی جان پر کھیل جانے پر مجبور کر دے۔" اس کی آواز دھیمی ہوتے ہوئے سرگوشی میں ڈھل گئی۔

منی کی آنکھوں سے آنسو نکل کر اس کی کپٹی پر سے بہتے ہوئے تکیے میں جذب ہونے لگے۔

"کیوں کیا خود پر اور مجھ پر یہ ظلم! ہماری راہ میں تو کوئی ظالم سماج بھی نہ تھا پھر کیوں مجھ پر اپنی طرف آنے والے راستوں کو بند کر ڈالا جب مجھ سے محبت تھی تو اس کو تسلیم کیوں نہ کیا۔ کیوں زندگی کو درد کا صحرا بنا دیا۔" اس کی زبان پر ان گنت سوالات تھے۔ وہ پہلے سے بھی زیادہ شدت سے رونے لگی۔

"پتا ہی نہیں چلا جندب! خبر ہی نہ ہو سکی مجھے کہ تم کتنی خاموشی سے میری جڑوں میں بیٹھے ہوئے ہو اور جب خبر ہوئی تو وقت ہاتھ سے نکل چکا تھا۔"

"وقت نہیں نکلا منی! وقت ابھی ہمارے ہاتھ میں ہے۔ میں کمی ڈیڈی سے بات کروں گا۔ وہ مان جائیں گے انہیں ہماری خوشی کی خاطر ماننا ہی پڑے گا۔" اس کی بات سن کر وہ گھبرا گئی۔

"بس جندب! تم ایسا کچھ نہیں کرو گے۔ تم ماموں مہمانی پر کوئی پیر نہیں ڈالو گے۔ یہ معاملہ صرف

تمہارے ہمارے گھر کا مسئلہ نہیں۔ یہ ایک تیسرا گھر کا بھی مسئلہ ہے کیا کہیں گے وہ بے چارے لوگ کہ ان کی اچھی بھلی خوبصورت پرزہ می لکھی ہوئی منگنی کے چھ ماہ بعد اپنے باپ کے عزیز دوست کے گھر سے کیوں چھکرا دی گئی۔ کیا ہو گا پاپا! صدمہ انگل اور ماموں جان کی دوستی کا۔ اور کیا کرو گے تم جب لوگ میری طرف انگلیاں اٹھائیں گے۔ میرے کردار پر شک کریں گے۔ کیا سہہ لیا جائے گا تم سے میرے بے داغ وجود پر لگایا گیا الزام؟" اس نے اس کی رگ رگ کو پکڑ کر اسے بے بس کر دیا تھا۔

"تم بہت بری ہو منی! بہت بری اور اس سے بھی زیادہ یہ کہ میں تم سی بے درد لڑکی سے محبت کرتا ہوں۔" ٹوٹا ہوا اس کے کمرے سے باہر نکل گیا تھا۔

ہادیہ جو آج منی کے پاس ہاسپٹل میں ٹھہری ہوئی تھی اور جندب کو اس سے تنہائی میں بات کرنے کا موقع فراہم کرنے کے لیے باہر لاؤنچ میں پڑے صوفے پر جا بیٹھی تھی۔ باہر نکلتے جندب کے قدموں کی آوازیں۔ پہلے پھل رشوت لڑکھڑاہٹ سے اس کی شکست بھانپ گئی۔ آنسو کے قطرے نکل کر اس کے رخساروں پر بہنے لگے۔ اس کے دو عزیز ترین دوست تکلیف میں تھے اور وہ بے بس تھی یہاں تک کہ وہ ملاپ کے لیے دعا بھی نہیں کر سکتی تھی۔ کیونکہ ایسا کرتے ہوئے ایک تیسری ہستی کا چہرہ اس کے سامنے آ جاتا تھا حالات کی اس بے رحمی میں یقیناً "اس معصوم لڑکی کا کوئی قصور نہیں تھا۔"

"میں تمہاری دھمکیوں سے ہرگز بھی مرعوب نہیں ہو سکتا۔ اس لیے بہتر ہے کہ تم لوگ مجھے ڈرانا دھمکانا چھوڑ کر خود ہی گرفتاری دے دو۔ ورنہ قانون کے ہاتھ تو ایک نہ ایک دن تمہیں گرفتار کر ہی لیں گے۔"

صدا صاحب کی آواز میں غصے کی جھلک واضح طور پر محسوس کی جاسکتی تھی۔ ناشتے کے لیے ڈانٹنگ ٹیبل کے گرد بیٹھی ان کی بیگم اور مہرین، غبرین چونک کر

چند نہیں تھی جس میں ہر وقت جان سولی پر لٹکی رہتی تھی۔

”موت کا وقت آنے سے پہلے کوئی شخص نہیں مرنے اور جب وقت آجائے تو کوئی احتیاط آدمی کو بچا نہیں پاتی۔ لہذا ایک ایسی بات سے ڈر کر جو بہر صورت ایک نہ ایک دن ہونی ہے آدمی بزدلوں کی سی زندگی کیوں گزارے۔ لوگ بے شک ہماری نوکری اور ہمیں بری نگاہ سے دیکھتے ہوں، لیکن میرا اپنا ضمیر تو مطمئن ہے نال کہ میں نے ہمیشہ اس نوکری کو ایمانداری سے نبھایا ہے اور میں اپنے ملک کا ایک کار آمد شہری ہوں۔“

”میرے پیلا ہیں ہی بہت گریٹ آدمی، میں تو اپنی سب دوستوں کو پیلا کے کارنامے سناتی ہوں سچ آیا! میرے سب دوست پیلا سے بہت انسپڑ ہیں۔“ صمد صاحب کی باتوں پر انہیں سراہتے ہوئے غبربن نے بڑی ہنس کو مخاطب کرتے ہوئے بتایا۔

”میں جانتی ہوں گریٹ! لیکن پیلا کو مسکے لگانے کے بجائے جلد جلدی یہ دھڑ لگے سلاکس کھاؤ تاکہ دین آنے سے پہلے فارغ ہو جاؤ۔“ مہرین نے اسے چھیڑا۔ ”دیکھ رہے ہیں پیلا! یہ مہرین آیا مجھ پر کیسا الزام لگا رہی ہیں۔ آپ تو ویسے ہی میری ہر بات بن کے مان جاتے ہیں پھر بھلا مجھے آپ کو مکھن لگانے کی کیا ضرورت ہے۔“

”یہ تو واقعی مہرین! تم ہماری لاڈلی بیٹی کے ساتھ زیادتی کر رہی ہو۔“

غبربن کے شکوہ بھرے انداز پر صمد صاحب نے مسکراتے ہوئے مہرین کو ٹوکا۔ اس سے پہلے کہ مہرین جواباً ”کچھ کہتی باہر سے دین کا ہارن سنائی دیا۔ غبربن بیگ اٹھا کر جلدی سے باہر کی طرف چل دی۔ البتہ جاتے جاتے وہ مہرین کو منہ چڑانا نہیں بھولی تھی۔ اس کی اس حرکت پر مہرین اپنے لبوں پر پچھنے والی بے ساختہ مسکراہٹ روک نہیں پاتی تھی۔

”اتنی بڑی ہو گئی لیکن اب بھی بچوں والی حرکتیں کرتی ہے۔“ محبت سے کہتے ہوئے وہ اپنی چائے کی

پیمہ پینے لگیں۔ پولیس کی نوکری میں برسوں گزارے ہیں۔ تم بڑے چھاپ غنڈوں کی گیدڑ بھیسکیوں سے بچو، یہ ملازمت ہی چھوڑنی پڑ جائے گی۔“ کہتے انہوں نے ریسور کریڈل پر شیخ دیا

”بھئی پیل! کون تھا صبح صبح جو آپ اتنے غصے میں تھے؟“ توں کی پلیٹ ان کے سامنے رکھتے ہوئے

”پیلے ہی بنا! ایک معمولی سا غنڈہ ہے لیکن آج اس کا ہاتھ منظم کر لیا ہے اس لیے اچھلتا پھر رہا ہے۔“ پیلے اس کا ایک آدمی گرفتار ہوا تھا۔ اس کے بارے میں اس غنڈے کے کئی غیر قانونی دھندوں اور اس کے بارے میں معلومات حاصل ہونے کی امید تھی۔ فی الحال اس کے آدمی نے زبان نہیں کھولی ہے وہ چاہتا ہے کہ اس کی زبان کھلنے سے پہلے ہی ہم اسے چھوڑ دیں۔ پہلے پل رشوت کا لالچ دیتا رہا جب تک کہ اس سے کام نہیں چلے گا تو دھمکیوں پر اتر آیا۔ اس سے گھر کا فون نمبر حاصل کر لیا ہے۔ اسی لیے اس نے فون کر کے دھمکا رہا تھا کہ سولہ گھنٹے کے اندر اس کی فیس دے کر رہا ہو جانا چاہیے ورنہ نتیجے کے ذمہ دار ہوؤ گے۔“ انہوں نے تفصیلات بتائیں۔

”صمد صاحب! ذرا سنبھل کر چلئے۔ آج کل زمانہ خراب ہو گیا ہے۔ لوگ پہلے کی طرح پولیس سے ڈرتے اور ڈریں بھی کیوں پولیس سے زیادہ اسلحہ رکھنے والے ہیں ان لوگوں کے پاس اور یہاں کراچی کا حال تو بہت ہی خراب ہے۔ ہر شخص اپنی جگہ پھنسے ہوئے ہے۔ کتنے تو پولیس والے ان لوگوں کی زد میں آ چکے ہیں۔ میں تو ویسے بھی کہتی ہوں چھوڑیں یہ نوکری۔ ماشاء اللہ ہمارا بیٹا اچھا کماتا ہے۔ خود اس کی اپنی زمینیں ہیں جن سے اتنی آمدنی تو بہر حال ہو رہی ہے کہ ہمیں کسی کا محتاج نہ ہونا پڑے۔“

صمد صاحب کی طرح اپنے شوہر کو سمجھانے کی کوششیں شروع ہی سے صمد صاحب کی یہ نوکری



”بہت دن ہوئے آپ سے ایک سوال کیا تھا۔
آپ نے کوئی جواب نہیں دیا۔“

ایک کیس کو اس کے ساتھ ڈسکس کرتے کرتے
اچانک ہی اسد نے اس سے کہا۔ ابھی چار دن پہلے ہی
اس نے دوبارہ آفس جوائن کر لیا تھا۔ ہاسپٹل سے
ڈسچارج ہونے کے بعد بھی امی کئی دنوں تک اسے گھر
سے نکلنے دینے کے لیے تیار نہیں تھیں۔

”دراصل اس ایکسیڈنٹ کے بعد میرے حواس
ہی مجتمع نہ ہو سکے کہ میں اس بارے میں کچھ سوچتی۔
اب آپ نے یاد دلایا ہے تو انشاء اللہ غور کروں گی۔“
”یاد دلایا ہے“ مطلب آپ اس بات کو فراموش
کر چکی تھیں۔ ”منی کے جواب نے اسد جیلانی کو
 سخت مایوس کیا۔

”آپ دل پر نہ لیں اسد صاحب! وہ حادثہ تھا ہی اتنا
شدید کہ واقعی مجھے کچھ یاد نہیں آیا“ سوائے اس
حادثے کے میں بطور خاص صرف آپ کا مسئلہ ہی
نہیں بھولی تھی۔ اور بھی بہت سی باتیں میرے ذہن
سے نکل گئی تھیں۔ مثلاً ”علینہ بھابھی اور بھائی جان
کی شادی کی سالگرہ کا دن بھی میری یادداشت سے نکل
گیا تھا۔ اور جب عین وقت پر بھابھی نے مجھ سے شکوہ
کیا تو مجھے شرمندگی اٹھانی پڑی۔“

”ویسے میری آج تک سمجھ میں نہیں آیا منی کہ تم
نے اس روز اتنی احمقانہ حرکت کی کیسے۔ اچھی بھلی
باشعور لڑکی ہو کر بالکل بچوں کی طرح کا عمل کیا تھا تم
نے۔“

”ہوتا ہے۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اچھا بھلا
فصل فخص احمقانہ حرکت کر بیٹھتا ہے۔ جیسے اس
وقت آپ بغیر کیپ لگائے پین کو اپنے پاٹ میں رکھنے
کی حماقت کر چکے ہیں اور نتیجتاً آپ کی جیب پر
میرے ماتھے پر لگے چوٹ کے نشان کی طرح ایک داغ
لگ چکا ہے۔“

”منی کے شرارت بھرے انداز میں احساس

دلانے پر اس نے چونک کر اپنی جیب کی طرف دیکھا
جہاں واقعی سیاہی کا نشان پڑ چکا تھا۔ وہ اپنی اس غیر
اختیاری غلطی پر جھینپ سا گیا۔



”یہ آیا ابھی تک یونیورسٹی سے واپس نہیں
آئیں۔ وہ تو مجھ سے بھی پہلے گھر پہنچ جاتی ہیں۔ آج کیا
خاص بات ہے۔ کیا صبح جاتے وقت آپ سے کچھ کہ
کر گئی تھیں وہ۔“ سچ پر مہرن کے انتظار میں بیٹھی
عنبرین نے کچھ پریشان ہو کر گھڑی کی طرف دیکھتے
ہوئے ماں سے پوچھا۔

”نہیں کچھ کچھ نہیں کہہ کر گئی تھی۔ میں تو خود
جب سے پریشان ہو رہی ہوں۔ پوائنٹ سے گئی تھی
خدا خیر کرے۔ میں آدھا گھنٹہ اور انتظار کرتی ہوں اگر
وہ پھر بھی نہیں آئی تو فون کر کے تمہارے بابا کو انعام
کروں گی۔“ بیگم صد کے لہجے میں بھی پریشانی تھی۔

آدھا گھنٹہ دونوں ماں بیٹی نے بڑے اضطراب سے
گزارا لیکن مہرن کی آمد کے کوئی آثار نظر نہیں
آئے۔

”میرا خیال ہے می! اب آپ بابا کو فون کر ہی دیں تو
بہتر ہے۔“

”ہاں بیٹا! کر رہی ہوں۔“ عنبرین کے پریشان انداز
میں کہے گئے جملے کا جواب دیتی وہ فون اسٹینڈ کی طرف
بڑھ گئیں۔

پھر شام سے رات ہو گئی، لیکن مہرن کا کچھ پتا نہیں
چلا۔ یونیورسٹی سے معلوم کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ آج
وہاں پہنچی ہی نہیں۔ اور اگر وہ یونیورسٹی نہیں گئی تو
کہاں گئی یہ وہ سوال تھا جس کا جواب ان میں سے کسی
کے پاس نہیں تھا۔ اسد کو بھی آفس سے آنے کے بعد
گھر میں پھیلی اس پریشانی کا احساس ہو گیا تھا۔ اگرچہ
بات گھر سے باہر نہیں نکلے دی گئی تھی، لیکن گھر میں
رہنے والے بندے سے چھپانا تو کسی صورت بھی
ممکن نہیں تھا۔ اور ایسے حال میں جب کہ عنبرین کی مدد
رو کر آنکھیں سوج گئی تھیں اور مسز محمد پر بھی

اس دن بھی جندب کی می وہاں آئی ہوئی تھیں۔
مہرین کے بچے ہوئے چہرے کو دیکھتے ہوئے اچانک ہی
بولیں۔

”بس بھابھی اب بہت دن ہو گئے، کوئی نزدیکی تاریخ
مقرر کر لیتے ہیں۔ آپ لوگ میری بہو کا خیال نہیں
رکھتے“ اس لیے بچی بیمار ہو گئی۔ اس نے گھر لے جا کر میں
اور میرا بیٹا آپ ہی اس کا خیال رکھ لیں گے۔“

ان کے تہجے میں مہرین کے لیے جو محبت تھی اسے
محسوس کر کے مسز صمد خوش دلی سے مسکرا دیں جب کہ
مہرین کے اعصاب بری طرح جھنجھٹا اٹھے۔ اس کے
ساتھ پیش آنے والے حادثہ کو سب سے چھپایا گیا
تھا۔ لیکن کیا جندب کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا جاتا
چاہیے تھا۔ اس کے خیال میں یہ صحیح نہیں تھا۔ اس
سوچ نے اسے اتنا پریشان کیا کہ ایک شام وہ اسد کو گھر
میں پا کر اس کے کمرے میں چلی گئی۔

”او مہرین! بیٹھو! اچھا ہوا تم اپنے کمرے سے باہر تو
نکلیں۔ اس کا تمہاری صحت پر اچھا اثر پڑے گا۔“ وہ
اسے دیکھ کر چونکا تھا لیکن اس پر ظاہر نہیں ہونے دیا۔
”آپ کب سے مجھے مہو کے بجائے مہرین کہنے
لگے اسد!“ وہ یاسیت سے مسکرائی۔

”تمہیں مہو کہنے کا حقدار تو اب صرف جندب ہی
ہے ناں مہرین! اس لیے میں نے یہ نام ترک کر دیا۔“
اس نے بوکھلا کر وضاحت دی۔

”جندب تو اور بھی بہت سی باتوں کا حقدار ہے ناں
اسد! کم از کم اسے یہ تو معلوم ہونا چاہیے کہ اس کی
ہونے والی بیوی ایک رات گھر سے باہر بد معاشوں کے
اڈے پر رہ کر رہی ہے۔ تاکہ وہ اپنے لیے اپنی پسند کا
فیصلہ کر سکے۔“

”تم پاگل ہو گئی ہو مہرین! جو بات چھپی ہے اسے
چھپا ہی رہے دو۔ بیکار میں کڑے مروے اکھاڑنے کی
کیا ضرورت ہے۔“ اسد نے اسے ڈنٹا۔

”نہیں اسد! وہ شخص اتنا برا نہیں ہے کہ اسے اتنے
دھوکے دیے جائیں۔ میرا دل میرے پاس نہیں تھا۔
صرف یہی ایک دھوکا بہت کافی تھا اس کے لیے اب

مہرین کے لیے کچھ چھپاتے بھی تو کیسے۔
مہرین صاحبہ ہار کر بیٹھ گئی تھیں۔ ان کی
سین میں آہا تھا کہ اسے ڈھونڈنے جائیں تو آخر
اس کی توجہ ایک کے سوا دوسری بھی نہیں
ہو سکتی تھی۔

مہرین نے اسے بوجھ چکے تھے۔
اس کی کسی سے ایسی دشمنی تو نہیں کہ وہ یہ
کے لیے آپ کو اچانک ہی خیال سوجھا۔

اس کے پاس پولیس والوں کے تو دوستوں سے زیادہ
کسی ایک پر میں کیسے شک کر سکتا
تھی۔

مہرین نے کل صبح اپنے آدمی کو
فحش جس نے کل صبح اپنے آدمی کو
کے لیے آپ کو دھمکی دی تھی کہیں یہ اس کا
نہیں۔“

انہوں نے کہا تو انہیں دھیان آیا کہ کل صبح کے
اس شخص نے انہیں فون نہیں کیا۔ یقیناً
میں اعلیٰ طور پر اتنا کمزور کر دیا تھا کہ وہ
حجت ان کی بات مان جائیں۔ غمخیز مہرین کے
دل نے پروہ بالکل صحیح خطوط پر سوچنے لگے تھے۔
کے مایوس انداز میں ایک بار پھر تحریک پیدا
کی۔ جلدی جلدی مختلف جگہ کے نمبر ڈائل
کے اپنے دشمن پر جھپٹنے کے لیے پوری طرح تیار

مہرین نے آدھی رات بھر چھاپے مارتے مارتے وہ صبح کے قریب
کے پر پہنچنے میں کامیاب ہو سکے تھے۔ جہاں
اور کھا گیا تھا وہ بڑی خاموشی سے بے ہوش بیٹی کو
لے آئے تھے۔ گھر آنے کے بعد بھی وہ دنوں تک
آپ کو سنبھال نہیں پائی تھی۔ اس کی ذہنی حالت
میں تھا۔ اسد کو بھی اس سے نہ
اس پر شانی کا احساں ہوا۔
نے اس کی بات کرنا ترک کر دیا تھا۔ ایک ہی
میں رہنے کی وجہ سے ناویہ جندب اور منی کے
تک بھی اس کی بیماری کی خبر پہنچ گئی
میں اس کی عیادت کے لیے

میری عزت بھی میرے پاس نہیں رہی کم از کم اسے یہ دھوکا دیتے ہوئے ہمیں سحر آتی چاہیے۔" وہ چلائی۔
 "جو کچھ ہوا اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں تھا۔ مہرین! اس لیے تمہیں اپنے دل پر کوئی بوجھ رکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ جو ہوا اسے ایک بھیاں تک خواب سمجھ کر بھول جاؤ۔" وہ اسے سمجھا رہا تھا۔
 "میرا قصور نہیں تھا اس بات کو آپ مانتے ہیں تو پھر ایسا کریں، آپ مجھے اپنائیں۔ میں پاپا کے سامنے آپ کے لیے اسٹینڈ لے لوں گی۔"
 "میں۔!" وہ ہاتھ سے اپنی طرف اشارہ کرتے ہوئے حیرت سے بولا۔

"ہاں آپ اسد! جو کچھ ہوا اس میں میرا کوئی قصور نہیں تھا لیکن پھر بھی میں بہت کچھ گنوا چکی ہوں۔ جناب کو مجھ سے شادی کر کے کچھ بھی نہیں ملے گا۔ جب کہ آپ کو کم از کم ایک چیز مل جائے گی۔ میری محبت جو خالصتاً آپ کے لیے تھی اور آج بھی ہے۔"

"میں ایسا نہیں کر سکتا مہرین! کیونکہ میں منی کو پرپوز کر چکا ہوں۔" اسد رخ بدل گیا۔
 "پرپوز ہی کیا ہے ناں! ابھی کوئی منگنی یا شادی تو نہیں ہوئی۔ آپ اس سے معذرت کر لیجئے گا۔ وہ آپ کی بات سمجھ جائے گی۔ آخر آپ دونوں مل کر مظلوم عورتوں کے لیے اتنے رفاہی کام کرتے ہیں۔ میں جو آپ کی سابقہ محبوبہ اور سگی ماموں زاد ہوں مجھ سے بڑھ کر کون آپ کی ہمدردی کا حقدار ہو سکتا ہے۔" وہ نہ جانے اسد کے منہ سے کیا سنتا چاہتی تھی۔

"ایسا نہیں ہو سکتا مہرین۔! دوسروں سے زبانی ہمدردی کرنا یا ان پر کچھ رقم خرچ کرنا اور بات ہے لیکن کسی اور عورت کو اپنی زندگی میں شامل کرنا بالکل مختلف بات ہے، عزت کا موتی گنوا دینے والی عورت مکمل کھلائے جانے کی ہرگز حقدار نہیں۔"

اس کے الفاظ کی کات نے مہرین کو اندر تک زخمی کر ڈالا تھا۔ لیکن پھر وہ خود کو سنبھالتی دیوانہ وار ہنس پڑی۔ اسد کچھ حیرت اور پریشانی سے اس کی طرف

دیکھنے لگا۔

"گھبرا ئے مت پانگل پن کا دورہ نہیں پڑا ہے۔" میں تو صرف اس لیے ہنس رہی ہوں اسد بیٹا! صاحب! کہ آپ کے نصیب میں واقعی مکمل عورت نہیں۔ منی ہاشمی جسے اپنانے کی آپ بات کر رہے ہیں اپنا دل جناب شاہ کے پاس گروی رکھ چکی ہے اور جو عورت دل نہیں رکھتی یقیناً وہ بھی مکمل کھلائے جانے کی حقدار نہیں ہوتی۔"

"بلکہ اس مت کرو۔ تم منی کے خلاف مجھے بد کرنے کے لیے یہ سب کہہ رہی ہو۔" وہ چلا یا۔
 "میں ایسا کچھ نہیں کر رہی مسٹر اسد جیلانی! میں آپ کو صرف حقیقت سے آگاہ کر رہی ہوں۔ میں دیکھتی ہے اس کی آنکھوں میں وہ دیوانگی جب وہ اپنی زندگی سے بے پروا ہو کر اس کے پیچھے چلتے دوڑ پڑتی ہے۔"

بڑے دھیمے انداز میں اسے سسکا کر وہ اس کے کمرے سے نکل گئی تھی۔

"محبت میں جدائی سہی لی جاتی ہے، لیکن بے محبت میں سہی جاتی اسد! اور تم نے مجھ سے بے وفائی کی ہے۔"

اپنے کمرے میں آکر بستر پر لیٹتے وہ دھیمے سے ہنسنے لگی تھی اور پھر اپنی آنکھیں موند لی تھیں۔

"مہرین کا ہارٹ فیل ہو گیا۔ دو سری صبح جس نے بھی یہ بات سنی وہ اپنی جگہ دم بخود رہ گیا۔ رات سوئے سوتے ہی کسی وقت اس کا ہارٹ فیل ہو گیا تھا۔ جب مہرین اسے جگانے آئی تو بستر پر صرف ایک روح وجود پائی تھا۔

وہ بیمار تھی۔ یہ بات سب کو معلوم تھی، لیکن وہ اتنی شدید بیمار ہوئی کہ جان سے ہی گزر جائے اس بات کسی کو گمان تک نہ تھا۔ جنازے میں آئے تمام لوگ اس کی جواں مری پر افسردہ اور بالکل اچانک موت کے سبب شدید حیرت زدہ تھے۔ صرف دو افراد ایسے تھے

جنتیں اس کے یوں اچانک مرجانے پر حیرت نہیں تھی۔ وہ دونوں جانتے تھے کہ اس لڑکی کو کسی مرض نے نہیں بلکہ بے وفائی کے غم نے مارا ہے۔

ان میں سے ایک فرد تو اسد جیلانی تھا۔ جب کہ دوسری مٹی تھی۔ اس روز وہ بھی جلدی گھر آگئی تھی۔ اور پھر مہرین کی مزاج پر سی کے خیال سے صدمہ انگلی کی

طرف چلی گئی تھی۔ مہرین نے اسے بتایا کہ مہرین اسد کے کمرے میں ہے اس لیے وہ اسد کے کمرے کی طرف چلی گئی تھی۔ لیکن اندر داخل ہونے سے پہلے ہی اس کے کان میں چند ایسے جملے بڑ گئے کہ وہ باہر رہ کر ان دونوں کی باتیں سننے پر مجبور ہو گئی۔ ان کی گفتگو سے اس پر مہرین کے اغوا اسد اور مہرین کے مابین تعلق اور

سب سے بڑھ کر اسد کی بے درد طبیعت کے بارے میں انکشافات ہوئے تھے۔ وہ اس شخص کو کتنا گھرا اور لوگوں سے محبت کرنے والا سمجھتی تھی۔ وہ جب اس کے سامنے بڑھ چڑھ کر عورتوں کے حقوق کے بارے میں تقریریں کرتا تو اسے اپنے آئیڈیل سے قریب تر محسوس ہوتا۔ لیکن جو شخص اپنی محبت کے ساتھ ہمدردی نہ کر سکتا ہو اس کی کسی دوسرے کے ساتھ کی جانے والی ہمدردی کو شہرت حاصل کرنے کے طریقے کے سوا کیا سمجھا جاسکتا تھا۔

آئیڈیل نظر آنے والے دراصل سراب ہوتے ہیں۔ یہ بات وہ جان گئی تھی۔ بلند و بانگ دعوے کرنے والے اسد جیلانی سے سیدھا سادہ مزاج رکھنے والا جناب شاہ کہیں بہتر تھا۔ جو بغیر کوئی دعوایہ اپنی استطاعت کے مطابق خاموشی سے دوسروں کے کام بخوشی انجام دے دیا کرتا تھا۔

مہرین کے چالیسویں کے بعد اسد نے ایک بار پھر اس کے سامنے اپنا سوال دہرایا۔

”آئندہ یہ سوال مجھ سے کبھی نہ کرنا اسد! اس لیے کہ میں جانتی ہوں مہرین کیوں مر گئی تھی۔“ مٹی نے اسے صرف اتنا جواب دیا تھا۔

میرے بس میں اگر ہوتا ہٹا کر چاند تاروں کو میں نیلے آسمان۔ بس تیری آنکھیں بناوٹ شجر ہوتا تو لکھ لکھ کے تمہارا نام پتوں پر تمہارے شہر کی جانب ہواؤں میں اڑا دیتا

وہ ایک جذب سے اس کی آنکھوں میں بھانک رہا تھا بڑے رومانیک موڈ میں شعر سن رہا تھا۔ مٹی کو اس کے لفظ لفظ پر یقین تھا۔ وہ واقعی ایسا دیوانہ تھا اس کے لیے کہ واقعی اگر جو بس میں ہوتا تو یہ سب بھی کر گزرتا پھر بھی وہ اسے تنگ کرنے سے باز نہ آئی۔

”شجر کے پتوں پر نام لکھنے تک تو معاملہ ٹھیک لیکن یہ ”تمہارے شہر“ سے کیا مراد ہے؟ میں کو الگ شہر کی رہنے والی تو ہوں نہیں کہیں تم یہ شعر اور کے لیے تو نہیں سنار ہے۔“

”دوسروں کی شاعری پر گزرا کرنے میں تو ایسا ہوا کرتا ہے۔ میں مصرعے اپنے مطلب کے نظر آئے جو تھاذرا مختلف ہو گیا۔ پروعدہ آئندہ خود شام کی کوشش کروں گا۔ تاکہ شک کی کوئی گنجائش ہی رہے۔“

اس کی بات پر چڑے بغیر وہ نہایت اطمینان سے ”اللہ رے! کیا کہنے آپ کی فرمانبرداری کے لیے آپ بزنس کے معاملات سنبھالنا چھوڑ کر مشقِ سخن کریں گے۔“ مٹی اس کی بات پر ہنسی۔

”ظاہر سی بات ہے یار! اتنی مشکلوں سے تم میرے ہاتھ آئی ہو۔ اگر اتنی معمولی سی بات پر خفا ہو گئیں تو کیا کروں گا۔“ وہ ہنوز غیر سنجیدہ تھا۔

”ٹھیک کہتے ہو جناب! ہماری شادی بظاہر سیدھا معاملہ تھی اور قدرت نے ہمیں کتنے الجھاؤ بعد ایک دوسرے سے ملایا۔“ اس کے لہجے میں ادا در آئی۔

”صرف اس لیے بیگم صاحبہ! کہ آپ کو ہماری قدر ہو سکے۔ اگر آسانی سے اتنا ہینڈ سم بندہ نہیں مل جاتا کہ تم نے خاک بھی اہمیت نہیں دینی تھی مجھے۔“ وہ اس کی اواسی کو محسوس کر رہا تھا۔ سو مسلسل

وہ بے پروائی سے اسے جواب دیتی اپنے بال سلجھا رہی تھی۔

”دنیا میں ایسی کوئی عدالت بھی تو نہیں ہے جہاں تم جیسے محبت کے ناقدوں کے خلاف مقدمہ درج کر کے سزا دلانی جائے۔“ وہ جھنجھلا یا۔

”نہیں جندب! آئندہ کبھی مجھ پر محبت کی ناقدی کا الزام نہ لگانا۔ کیونکہ محبت اپنے مجرموں کو سزا خود سناتی ہے۔ یہ بڑی ظالم اور سخت گیر جج ہے اس کے فیصلوں کی زد میں آئے مجرم درود کی انتہاؤں کو برداشت کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔“ وہ متوحش سی ہو کر اس کے قریب چلی آئی۔ اور اس کے لبوں پر ہاتھ رکھ کر اسے بولنے سے روک دیا۔ جندب نے ایک نظر اس کی آنکھوں میں چھائے خوف کو دیکھا اور پھر اپنے ہونٹوں پر رکھا اس کا ہاتھ دھیرے سے چوم کر نرمی سے اپنے دائیں ہاتھ کی گرفت میں لیتے ہوئے بولا۔

”محبت بہت مہربان اور نرم خو بھی تو ہوتی ہے۔ مٹی! جب کسی کو سیراب کرنے پر آئے تو ساون کے بادلوں کی طرح ٹوٹ کر برسی ہے اور تن من میں خوشیوں کے پھول کھلا ڈالتی ہے۔“

”تم ٹھیک کہتے ہو جندب! اس نے تو میرے وجود کے صحرا کو جل تھل کر کے وہاں ایک گلستان سجا دیا ہے۔“ اس کے سینے پر سر ٹکائے وہ اعتراف کر رہی تھی۔

”اور پھر بھی ہماری محبوبہ اتنی کنجوس ہے کہ پورا گلستان اپنے قبضے میں رکھنے کے باوجود ہمیں مشکل سے چند پھولوں سے ہی نوازتی ہے۔“ وہ شوخ ہوا۔

”تو جناب ہیں بھی تو اتنے پھیلو۔ ذرا انگلی کیا پکڑاؤ۔ پورا ہاتھ اپنے قبضے میں کرنے کی کوشش کرنے لگتے ہیں۔“ اس نے چل کر اس کی گرفت سے ٹکنا چاہا تھا لیکن اس کی بانہوں کا حصار بہت مضبوط تھا۔ مٹی نے ہار مان لی یوں بھی محبت کی گرفت سے کون رہائی چاہتا ہے۔



وہ ان میں اس کی ٹینشن دور کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ”عمرین کتنی نامراد چلی گئی اس دنیا سے۔ کیسے ایسا تو میں کہ اسے میری نظر کھا گئی۔ لیکن یقین کرو جندب! میں نے کبھی ایسا نہیں چاہا۔ کبھی میرے دل میں خیال نہیں آیا کہ میں اسے تمہاری زندگی سے نکال دوں۔ وہ تو خود ہی بنا کسی سے کہ اتنی خاموشی سے چلی گئی۔ اگر رکتی تو میں خود اسے اپنے ہاتھوں تمہاری دلہن بناتی۔“ اس کی آنکھوں سے آنسو پھلکنے لگے۔

”قسم میں سب کچھ ایسے ہی ہوتا لکھا تھا مٹی! میرے نصیب میں تم لکھی تھیں بھلا کوئی دوسرا کس طرح تمہاری جگہ لے سکتا تھا۔ تمہیں میرے گھر آنا تھا تب ہی تو قدرت نے میرے دل میں تمہارے لیے اتنی محبت پیدا کی۔ رہی چاہنے اور نہ چاہنے کی بات تو انسان کے چاہنے اور اس کی خواہش سے کچھ نہیں ہوا کرتا۔ اگر ایسا ہوتا تو ہماری کہانی میں اتنا الجھاؤ ہی نہیں آتا۔ تم پہلی دفعہ میں ہی میری محبت کو قبول کر لیتیں۔“

اسد اور مہرین کی محبت کے درمیان کوئی رکاوٹ کھڑی نہ ہوئی لیکن حقیقت یہ ہے کہ جو کچھ ہوتا ہے منجانب اللہ ہوتا ہے۔ بندہ صرف خواہش اور کوشش کر سکتا ہے۔ فیصلے کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔“ انکلیوں کی پوروں سے اس کے آنسو سمیٹتے اس نے سمجھایا تھا۔

”شاید تم ٹھیک کہتے ہو جندب!“ وہ اس کے پہلو سے اٹھ کر رورنگ ٹیبل کے آئینے کے سامنے جا کھڑی ہوئی تھی۔

”میں تو واقعی ٹھیک کہتا ہوں لیکن تم بالکل ٹھیک نہیں کرتی ہو“ میرے ساتھ شادی کو دس دن ہو گئے۔ ان دس دنوں میں ایک بھی موقع ایسا نہیں آیا کہ تم نے میرے رومانیک موڈ کا استیاس نہ کیا ہو۔“ وہ لہجے میں مصنوعی خلگی سموتے اس سے بولا تھا۔

”تمہارے رومانیک موڈ کا استیاس کرنا تو خیر بہت ضروری ہے۔ کیونکہ جناب پر ماشاء اللہ سے ہر وقت علیحدگی کا خطرہ رہتا ہے۔ اگر تمہیں اس موڈ سے نہ لگا کر کیا تو ہمارے سارے کام دھرے رہ جائیں گے۔“